جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۰

حق آیا اور باطل نیست نابود ہوا - باطل تو نیست و نابود ہونے والا ہی تھا

فرزند علی

بجواب ابراہیم

جس میں

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کی تردید
قرآن مجید - حدیث مبارک اور انجیل مقدس
کے حوالجات سے کی گئی ہے -

مُصنّفہ

منشی فرزند علی صاحب ہیڈ کلارک قلعہ میگزین (شہر) فیروزپور

سنہ ۱۹۱۰ء

باہتمام مولوی عبدالحق

مطبوعہ رفاہِ عام سٹیم پریس لاہور

فیض محمد کاتب

طبع اول - قیمت فی جلد ۳ر دس جلد عہ ایک سو جلد عـــہ بارہ روپے - علاوہ محصول ڈاک -

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

۲۷-۲۸-۲۹ ماہ مئی سنہ ۱۹۱۱ء کو فیروز پور میں ایک جلسہ انجمن اہل سنت والجماعت کی طرف سے منعقد کیا گیا جس کی نہایت اہم غرض یہ تھی۔ کہ احمدی عقاید کی تردید کی جائے۔ اسی ذیل میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی (اہل حدیث) بھی بلائے گئے۔ اور انہوں نے دو روز حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے مضمون پر وعظ کہا۔ ہم اس امر کے معترف ہیں۔ کہ مولوی صاحب نے اپنے یہاں کے وعظ میں فرمانِ الٰہی اُدۡعُ[۱] اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ پر عمل کیا اور اپنے اعتراضات کو تہذیب اور شائستگی کے پیرایہ میں بیان کیا۔ ورنہ اکثر دیگر واعظوں کی عقلوں پر جوشِ مخالفت نے کچھ ایسا پردہ ڈال رکھا تھا۔ کہ انہیں وعظ اور استہزاء میں فرق نظر نہ آتا تھا۔ اس گروہ کے حق میں تو میں اس دعاء پر اکتفاء کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بخشے +

مولوی محمد ابراہیم صاحب کے ساتھ مجھے دیرینہ تعارف ہے۔ اسی کی بناء پر انکا اکثر خطاب میری طرف رہا۔ اور میں نے بھی ان کے بیان کو خاص توجہ کے ساتھ سُنا۔ خاتمہ وعظ پر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ کہ میں مولوی صاحب کے بیان پر تنقید کروں۔ اور مولوی صاحب اسے بغور سُنیں۔ چنانچہ اسی نیت سے جماعت احمدیہ فیروز پور نے ایک جلسے کے انعقاد کی تجویز کی۔ اور بہت سُرعت کے ساتھ مفصل تمام اسی روز جلسہ مجوزہ کا اشتہار چھپوایا۔ اور شائع کیا۔ مگر مولوی صاحب اس ہمارے جلسے کے لئے نہ ٹھہرے۔ اب میں اسی تنقید کو اس رسالہ کی صورت میں پیش کرتا ہوں

[۱] ترجمہ۔ لوگوں کو نہایت مضبوط باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ +

شائد کہ کسی کو فائدہ دے +

آیات و احادیث منقولہ کے حوالے جا بجا دِئے گئے ہیں۔ چونکہ شاید بعض ناظرین کو حوالجات کے ڈھونڈھنے میں دِقّت ہو۔ اس لئے اس کے متعلق ہدایت کا لکھنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ پس واضح ہو۔ کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں کوئی رکوع ختم ہوتا ہے وہاں حاشیئے پر $\frac{۵}{۲}$ع یا دیگر اعداد لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اوپر کا ہندسہ سورۃ کا رکوع ظاہر کرتا ہے۔ اور نیچے کا پارہ کا اور درمیان میں تعداد آیاتِ رکوع ہوتی ہے۔ پس اگر مثلاً پارہ ۷ کا نواں رکوع ڈھونڈنا ہو تو اس پارہ میں جہاں $\frac{۳}{۹}$ع لکھا ہو۔ اُس سے پہلے تلاش کرو اور اگر سورۃ اعراف کا تیسرا رکوع مطلوب ہے۔ تو اس سورت میں $\frac{۳}{۹}$ع سے پہلا رکوع دیکھو۔ کیونکہ ہر رکوع کا نمبر و نشان اس رکوع کے خاتمہ پر ہوتا ہے۔

فرزند علی

بجواب

ابراہیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا عقیدہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق یہ ہے۔ کہ جب یہودیوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ

کو زندہ بجسم خاکی آسمان پر اُٹھالیا۔ آپ کی شکل ایک اور شخص کو عطا کی۔ اور یہود نے حضرت عیسےٰ ؑ کی بجائے اس شخص کو صلیب پر چڑھایا اور قتل کیا۔ عیسٰی علیہ السلام ابھی تک آسمان پر زندہ ہیں۔ قرب قیامت کے وقت وہاں سے دنیا پر نازل ہونگے۔ اور اُس وقت آپ کی وفات سے پیشتر تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئینگے ✣

ثبوت میں مولوی صاحب نے بیان کیا۔ کہ توفی کے معنے لازماً موت کے نہیں ہوتے۔ اصل معنے اس لفظ کے "پورا لینے" کے ہیں۔ قرائن سے معلوم ہو جایا کرتا ہے۔ کہ فلاں جگہ یہ لفظ کیا معنے دیتا ہے۔ جب موت کا قرینہ ہو۔ تو موت کے معنے لئے جائینگے۔ نیند کے قرینے میں نیند کے معنے۔ اور اگر اس کے ساتھ رَفع کا لفظ آجائے۔ تو اُٹھائے جانے کے معنے ہونگے۔ اول دو معنوں کی تصدیق میں آپ نے متعدد آئتیں مثال کے طور پر پڑھ کر سنائیں ہ اور آیت اِذْ کَفَفْتُ بَنِیۡۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ پارہ ۷ ع ۵ سے یہ ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو عیسےٰ ؑ تک آنے سے روک رکھا۔ اور ہاتھ لگانے نہیں دیا ✣

رَفع کے متعلق آپ نے فرمایا۔ کہ اس کے بھی کئی معنے ہوا کرتے ہیں۔ مگر اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ پارہ ۳ ع ۱۴ میں اور بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ پارہ ۶ ع ۲ میں یہ معنے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عیسےٰ ؑ کو اپنی طرف آسمان پر اُٹھالیا۔ یہاں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی شخص کو آسمان پر اُٹھالینا کوئی ناممکن امر نہیں۔ اسجگہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو عَزِیْزًا حَکِیْمًا یعنی غالب اور حکمت والا اسی لئے فرماتا ہے۔ کہ اُس کے واسطے کوئی چیز محال نہیں۔ اس لفظ کی بحث میں مولوی صاحب نے چند مثالیں اس بات کے ثابت کرنے کے لئے دیں۔ کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ رفع سے ترقی درجات اور علو منزلت مراد ہو۔ وہاں اسکے ساتھ لفظ "درجات" ضرور آتا ہے۔ ورنہ مطلق اُٹھانے کے معنے ہوتے ہیں ✣

ہ (تیسرے معنوں یعنی اٹھائے جانے کی تصدیق کے لئے کوئی ثبوت قرآن مجید سے نہ دیا)

شُبِّهَ لَهُمْ کے معنے مولوی صاحب نے یہ کئے۔ کہ کسی اور شخص کو عیسے علیہ السلام کی شکل بناکر بنی اسرائیل کو دکھایا گیا۔ مولوی صاحب نے کہا۔ کہ جہاں شُبِّہَ کے معنے کسی کو شبہ میں ڈالنے کے ہوں۔ وہاں اس کے اوپر حرف جر "علے" آتا ہے "ل" نہیں آیا کرتا۔ اس کے بعد آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا پارہ ۶ رکوع ۲ سے یوں حضرت عیسےٰؑ کا آخری زمانہ میں نازل ہونا ثابت کیا۔ کہ جب صیغہ مضارع پر "ل" مفتوح اول اور ن ثقیلہ بعد میں آئے تو اس کے معنے لازماً مستقبل کے ہو جایا کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ آیت وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ پارہ ۲۵ ع ۱۲ سے حضرت عیسےٰ ع کے نزول کو قرب قیامت کی علامت بتایا۔

یہ ہے لب لباب مولوی صاحب کے وعظ کا جو یہاں لکھی گئی۔ اس کے علاوہ میں نے حال ہی میں مولوی صاحب کی تصنیف شہادت القرآن باب دوم کو پڑھا ہے۔ لہٰذا اس رسالہ میں مَیں اس کتاب کے بڑے بڑے اعتراضوں کا بھی جواب دونگا انشاء اللہ تعالیٰ

میں مانتا ہوں کہ توفی کا لفظ ایک سے زیادہ معنے رکھتا ہے۔ مگر ہمارا دعویٰ ہے کہ **قرآن کریم میں یہ لفظ[ف] دو ہی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ ایک موت دوسرے نیند[ئه]۔**

اسکے بعد ہمارا دعویٰ ہے کہ توفی کے معنے **نیند لینے کے لئے قرینے کی ضرورت ہے۔** اگر قرینے سے نیند ظاہر نہ ہوتی ہو تو اس لفظ کے معنے قطعاً موت کے ہوتے ہیں۔ نیند کی مثالیں درج ذیل ہیں :۔

(۱)۔ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ج پارہ ۷ ع ۱۳ (ترجمہ) وہی ہے۔ جو رات کے وقت نیند میں ایک طرح تمہاری رُوح کو قبض کر لیتا ہے۔ اور جو کچھ تم نے دن میں کیا تھا۔ اسکو بھی جانتا ہے اور پھر تم کو اُٹھاتا ہے تاکہ جو میعادِ حیات معین ہے پوری ہو۔

(۲)۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ

سلہ جو تیسرے معنے مولوی صاحب نے اُٹھانیکے کیلئے اسکا کوئی تائیدی ثبوت قرآن کریم سے پیش نہ کیا تھا ۱۲

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی پارہ ۲۴ ع ۲ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے روحوں کو موت اور نیند کے وقت - پھر جن پر موت کا حکم ہو اُن کو رکھ چھوڑتا ہے اور باقیوں کو وقت معین کے پورا کرنیکے لئے چھوڑ دیتا ہے +

اِن دونوں آیتوں میں ایک میں "بِاللَّیْلِ" (یعنی رات کے وقت) اور دوسری میں فِیْ مَنَامِھَا یعنی "نیند میں" فرماکر نیند کے معنے ظاہر کر دئے گئے ہیں +

موت کے معنوں کے لئے قرینہ ضروری نہیں - دیکھو مندرجہ ذیل مثالیں -

(۱) وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا پارہ ۲ ع ۱۴ (ترجمہ) تم میں جو لوگ مرجائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں - تو ان کو چار مہینے دس دن تک انتظار کرنا چاہیئے +

(۲) - وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا - پارہ ۲ ع ۱۵ (ترجمہ) تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں +

(نوٹ) - مولوی صاحب "بیبیاں چھوڑنے" سے موت کا قرینہ نکال رہے تھے یہ صحیح نہیں - کیونکہ انسان سفر پر جاتا ہوا بیوی کو چھوڑ جاتا ہے اور اگر مرد علیحدہ رہائش اختیار کرے وہ بھی بیوی کو چھوڑ جاتا ہے لہذا بیبیاں چھوڑنے میں کوئی قرینہ موت کا نہیں - اور چونکہ مندرجہ بالا دونوں آیات میں یُتَوَفَّوْنَ کے معنے بالاتفاق مرنیکے کئے جاتے ہیں - پس یہ "یتوفون" کے اصلی معنے ہیں - جو قرینے کے محتاج نہیں +

(۳) رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ پارہ ۴ ع ۱۱ (ترجمہ) اے پروردگار ہمارے قصور معاف فرما ہمارے گناہ دُور کر اور موت دے ہم کو نیک بندوں کے ساتھ +

(۴) رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ پارہ ۹ ع ۴ (ترجمہ) اے پروردگار ہمارے اوپر صبر کی کھالیں انڈیل دے اور اپنی فرمانبرداری کی حالت میں ہمیں دنیا سے اٹھالے +

(۵) - اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ پارہ ۱۱ ع ۱۱ (ترجمہ) اے پیغمبر جن عذابوں کا ہم ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں چاہے ہم تم کو ان میں سے بعض کا وقوع دکھا دیں یا وقوع سے پہلے تم کو دُنیا سے اُٹھالیں +

(٦) تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ پارہ ١٣ع ٥ (ترجمہ) مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے ملا نیک بختوں میں +

(٧) وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ٥ پارہ ١٣ع ١٢ (ترجمہ) جن عذابوں کے وعدے ہم ان لوگونکو دیتے ہیں۔ چاہے ہم ان کو تمہیں دکھائیں اور چاہے تم کو اٹھالیں۔ بہر حال تمہارا کام ہمارے احکام کو پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے + آیات نمبر ٢ سے نمبر ٧ تک میں جو الفاظ توفی سے نکلے ہوئے مستعمل ہوئے ہیں۔ اور جن کے اوپر خط کھینچے ہیں۔ ان سب کے معنے مرنے کے ہیں۔ ان معنوں کے لئے یہاں کوئی قرینے نہیں مگر قرآن مجید کے کسی ترجمہ میں دیکھ لو مرنے کے ہی معنی پاؤگے +

ان تمام وجوہات سے ہمارے نزدیک اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کے درست معنے یہی ہیں۔ کہ میں تجھے وفات دونگا۔ اور پھر اپنی طرف اُٹھاؤنگا۔ مُتَوَفِّيْكَ کے ان معنوں کی تصدیق بزرگانِ سلف سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے مُتَوَفِّيْكَ کے معنے مُمِيْتُكَ کئے ہیں۔ جس کے معنے ہیں "میں تجھے موت دونگا" دیکھو صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تفسیر فوز الکبیر میں بھی یہی معنے کئے ہیں اور تفسیر کشاف میں بھی یہی معنے لکھے ہیں یعنے میں تجھے وفات دونگا +

اس کے علاوہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود لفظ توفی کے معنے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق "وفات پانے" کے کئے ہیں چنانچہ قرآن کریم سورۃ مائدہ ع ١٦ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام روز قیامت کو بارگاہ رب العلمین میں غیر اللہ کی عبادت کی تعلیم سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے فرمائینگے۔ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ پارہ ٧ ع ٦ (ترجمہ) میں اپنی قوم پر نگران اسوقت تک تھا۔ جبتک کہ میں ان میں رہا۔ پس جب تو نے مجھے وفات دیدی۔ تو پھر تو ہی اُن کا نگہبان تھا +

لفظ تَوَفَّيْتَنِيْ اُسی باب اور مصدر سے نکلتا ہے۔ جس سے مُتَوَفِّيْ نکلا ہے۔ اِس

آیت کی تفسیر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یُوں فرمائی + ہے کہ روز قیامت کو میرے بعض اُمتیوں کو فرشتے دوزخ کی طرف لیجائینگے ۔میں عرض کروں گا ۔ یا پروردگار یہ تو میرے اصحاب ہیں ۔ جواب ملیگا ۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد اُنہوں نے کیا کیا بدعتیں نکالیں ۔ اس وقت میں کہونگا ۔ جیسا اللہ تعالیٰ کے نیک بندے حضرت عیسےٰؑ کی زبانی آیت مذکورہ بالا میں درج ہے ۔ کہ ”میں تب تک ان کا نگران رہا ۔ جب تک میں ان میں رہا ۔ جب تو نے مجھے وفات دے دی ۔ تو پھر تو ہی اُن کا نگہبان تھا“ ۔

پس حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا ۔ کہ میں اور عیسےٰ علیہ السلام دونوں تَوَفَّیْتَنِیْ کا لفظ ایک ہی رنگ میں کہینگے ۔ اس بات میں کسی کو شک ہی نہیں ۔ کہ حضرت رسُولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لفظ وفات کے معنے رکھتا ہے ۔ پس حضرت عیسے علیہ السلام کے متعلق بھی یہی معنے ہوئے ۔

یہ کہا جاتا ہے اور شہادت القرآن میں بھی یہی لکھا ہے ۔ کہ یہ ضروری نہیں کہ حضرت رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز یہی الفاظ استعمال فرمائینگے جو عیسے علیہ السلام کی زبانی قرآن کریم میں درج ہیں ۔ یعنی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ ××الخ اس کے متعلق یہ عرض ہے ۔ کہ مندرجہ بالا احدیث صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں درج ہے اور اس حصّہ میں قرآن کریم کے مختلف مقامات کی وہ تفسیر درج ہے ۔ جو حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی معتبر راویوں کے ذریعے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مل سکی ۔ اور جس آیت کی تفسیر مندرجہ بالا احدیث میں کی گئی ہے ۔ اس میں سوائے لفظ تَوَفَّیْتَنِیْ کے اور کوئی لفظ ایسا نظر نہیں آتا جس کے معنوں میں اختلاف کا

+ وَاِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُصَيْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ مائدہ ۱۲

احتمال ہو۔ پس لفظ توفیتنی ہی صرف ایک لفظ ہے۔ جس کے معنوں کو جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمانا ضروری سمجھا۔ اور اسکی تفسیر یوں فرماکر کہ جس طرح یہ لفظ مجھ پر وارد ہوگا۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر بھی ہوا۔ اختلاف کی جڑ کاٹ دی۔ اور اس بات کی گنجائش نہ رہنے دی۔ کہ توفیتنی اور متوفیک کے معنوں میں کسی قسم کا التباس و شبہ رہے +

دوسرا لفظ بحث طلب رفع کا ہے۔ اور اسی پر حقیقت میں حضرت عیسےٰؑ کو آسمان پر چڑھائے جانے کا سارا بوجھ پڑتا ہے + اس لفظ کے متعلق جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ مولوی صاحب کا استدلال یہ تھا۔ کہ جب لفظ رفع کے معنے ترقی درجات ہوں۔ تو اس کے ساتھ درجات کا لفظ آیا کرتا ہے۔ میں یہاں دو مثالیں قرآن کریم سے دیتا ہوں۔ جن میں لفظ رفع کا بغیر" درجات" کے مستعمل ہے۔ مگر معنے ترقی درجات کے ہیں +

(۱) وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ پارہ ۹ ع ۱۲ (ترجمہ) اگر ہم چاہتے تو اس شخص کا درجہ بلند کر دیتے۔ مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا +

یہاں نہ صرف آیت شریفہ کے الفاظ میں درجات کا لفظ مذکور نہیں۔ بلکہ رَفَعْنٰهُ (ہم اسے اٹھاتے) کے مقابل وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا) سے کچھ قرینہ زمین سے اوپر کی طرف اُٹھائے جانے کا بھی پایا جاتا ہے۔ مگر کوئی شخص اس رَفَعْنٰهُ کے معنے نہیں کرتا۔ کہ اللہ تعالیٰ شخص مذکور کو بجسم عنصری آسمان پر اُٹھانا چاہتا تھا +

(۲)۔ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا پارہ ۱۶/۷ (ترجمہ) اے نبی ذکر کرو ادریس کا۔ وہ صدیق اور نبی تھے۔ اور ہم نے اُن کو بلند مکان پر اُٹھایا +

حضرت عیسےٰؑ کی نسبت تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ یعنی ہم نے اسے اپنی

طرف اُٹھایا۔ اور کہا جا سکتا ہے۔ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں۔ اِس لئے اس سے آسمان کی طرف اُٹھانا ثابت نہیں ہوتا۔ مگر ادریس علیہ السّلام کی مثال میں تو اللہ تعالیٰ وضاحت کے ساتھ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے اسے بلند مکان پر اُٹھالیا۔ اِنہیں الفاظ سے بعض مفسرین کو اشکال حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کا ہوا ہے۔ مگر جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے۔ اور مولوی ابراہیم صاحب اس سے متفق ہیں کہ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا سے صرف علو منزلت مراد ہے۔ پس مولوی صاحب کا دعوےٰ لفظ رفع کے معنوں کے متعلق غلط ثابت ہوا +

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ قرآن کریم میں جو گذشتہ واقعات مذکور ہیں ان سے مقصود کیا ہے۔ ان کا مطلب بعض مقامات میں عبرت اور بعض میں رغبت دلانا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں کسی ضروری واقعہ کے متعلق غلط فہمی پھیل رہی ہو۔ وہاں اصل واقعہ بیان کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ پارہ ۲۰ع۲۔ یعنی قرآن کریم کا طریق ہے کہ اکثر ایسے معاملات کے صحیح واقعات بیان کر دے جن کے متعلق بنی اسرائیل میں اختلاف ہو۔ نزول قرآن کے وقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے قتل کی نسبت یہودیوں میں دو عقیدے تھے۔ بعض کا اعتقاد تو یہ تھا۔ کہ آپ کو صلیب کے ذریعے قتل کیا گیا تھا۔ بعض کا اعتقاد اس کے برعکس یہ تھا۔ کہ آپ کو قتل تو کسی اور ذریعے سے کیا گیا تھا۔ مگر اسکے بعد ایک درخت پر تشہیر کی غرض سے ٹانگ دیا گیا تھا۔ اس اختلافِ عقائد کا ثبوت خوش قسمتی سے ابھی تک اناجیل میں موجود ہے۔ دیکھو کتاب اعمال باب ۵+۔ آیت ۳۰۔ اردو اور انگریزی تراجم اناجیل +

ان ہر دو عقائد کی تردید اللہ تبارک وتعالیٰ نے مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ فرما کر کر دی۔ کہ نہ تو تم نے عیسےٰ کو صلیب کے ذریعے اور نہ کسی اور ذریعے سے قتل کیا + باقی رہا نتیجہ

+ اردو ترجمہ۔ ہمارے باپ دادوں کے خدا نے یسوع کو جلایا۔ جسے تم نے لکڑی پر لٹکا کر مار ڈالا تھا +

انگریزی ترجمہ۔ ہمارے باپ دادوں کے خدا نے یسوع کو جلایا جسکو تم نے قتل کر کے درخت پر ٹانگ دیا تھا +

قتل کرنے کا + یہودی لوگ بزعم خود یہ سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مصلوب یا مقتول ہوکر نعوذ باللہ لعنتی ہو گئے۔ اور جہنم میں گرائے گئے۔ کیونکہ تورات کتاب استثنا باب ۲۱ آیت ۲۳ میں لکھا ہے۔ کہ "وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے۔ خدا کا ملعون ہے"۔ اس کے مقابل قرآن کریم اس بات کی نفی کرنیکے بعد کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی موت صلیب پر واقعہ ہوئی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرماکر شہادت دیتا ہے کہ آپ کو دیگر انبیاء کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھایا +

بات یہ ہے۔ کہ الہامی کتابوں میں استعاروں کا کثرت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور ایسے مقامات پر الفاظ مستعمل کے ظاہری معنے نہیں لئے جایا کرتے۔ میں یہاں قرآن کریم سے چند مثالیں دیتا ہوں +

(۱) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ پارہ ۱ ع ۱ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے (یعنی کفار کے) دلوں اور کانوں پر مہریں لگادیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے +

(نوٹ)۔ دل تو پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مگر کوئی شخص کفار کے کانوں پر مہریں اور آنکھوں پر پردے نہیں دکھا سکتا ہے +

(۲)۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ پارہ ۱۵ ع ۸۔ (ترجمہ) جو شخص اس دُنیا میں اندھا ہے۔ وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا +

(نوٹ)۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ جو شخص بدقسمتی سے دُنیا میں نابینا ہے۔ وہ باوجود اعمال صالح کے آخرت میں بھی بینائی سے محروم رکھا جائے گا +

(۳) صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً پارہ ۱ ع ۱۶۔ (ترجمہ) اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کونسا رنگ بہتر ہے +

(نوٹ)۔ اللہ تعالےٰ کوئی ظاہری رنگ نہیں رکھتا +

(۴) اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پارہ ۲ ع ۳ ترجمہ ہم اللہ کے ہیں اور اس کی طرف واپس جانے والے ہیں ۔

(نوٹ) جس رنگ میں یہ واپس جانا ہوتا ہے اسی رنگ میں سمجھ لیجئے ۔ کہ عیسےٰ اللہ کی طرف گئے ۔

(۵) یہاں بھی تو عیسےٰ کے ہمرنگ ہی استعارہ مستعمل ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے بیزار ہو کر وہاں سے چل دیتے ہیں ۔ اور فرماتے ہیں :۔

(۱) اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ (پارہ ۲۳ ع ۷) (ب) اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (پارہ ۲۰ ع ۱۵) ترجمہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں آیت (۱) میں یہ زائد ہے ۔ کہ وہ مجھے ہدایت دے گا ۔

(نوٹ) ان الفاظ سے کوئی ذی علم و ذی ہوش انسان یہ معنے ہرگز نہیں لیتا ۔ کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف آسمان پر چڑھ گئے تھے ہم حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا رفع الی السما مانتے ہیں ۔ مگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ تمام صالحین کی ارواح بعد وفات آسمان پر لے جائی جاتی ہیں ۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ کی روح مبارک بھی بعد وفات اُٹھائی گئی ۔

پارہ ۸ ع ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (ترجمہ) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ۔ اور ان سے اکڑ بیٹھے ۔ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائینگے ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے اور حدیث مبارک اس کی شاہد ہے جس کا ذکر ضمیر (۸) کی بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ آئیگا ۔ کہ برعکس مکذبین اور منکرین کے ۔ صالحین کے لئے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں آیت بالا میں نہ تو روح کا لفظ ہے ۔ اور نہ وفات کا ذکر ہے ۔ مگر تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں ۔ کہ صالحین کی ارواح بعد وفات آسمان پر لیجائی جاتی ہیں ۔ ہمارا ایمان ہے ۔ کہ صلحاء کی طرح حضرت عیسےٰ کی روح بھی آسمان پر اٹھائی گئی ۔ اور وہاں قیام رکھتی ہے ۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ

یعنے اے عیسیٰ میں تجھے وفات دیکر اپنی طرف اُٹھاؤنگا۔یعنی اول وفات ہوئی۔اور بعد میں اُٹھائے گئے۔اس سے ہمارا مطلب نہایت صفائی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔اور کوئی جھگڑا باقی نہیں رہتا۔ اگر رَافِعُکَ سے جسمانی رفع مراد ہو۔تو سوچنا چاہیئے۔کہ اللہ تعالےٰ کے یہ فرمانے کا کہ اے عیسےٰ میں تجھے آسمان پر اُٹھاؤنگا۔موقع اور محل کیا تھا؟ کیا حضرت عیسےٰ علیہ السلام اس بات کی دعا مانگتے رہا کرتے تھے۔کہ اے میرے مولیٰ مجھے آسمان پر اُٹھالے اور آخر کار اللہ نے فرمایا۔کہ اچھا آؤ۔آج ہم تمہاری دعا قبول فرماتے ہیں۔اور تمہیں آسمان پر اُٹھائے لیتے ہیں۔یہ صریحًا لغو ہے۔ہم آگے چلکر دکھائینگے۔انشاء اللہ تعالےٰ کہ اس آیت کا شانِ نزول کیا تھا۔اور اس کی کیا ضرورت تھی ۔

یہ کہا جایا کرتا ہے۔کہ چونکہ مَا قَتَلُوْہُ وَ مَا صَلَبُوْہُ میں "ہ" کی ضمیر عیسےٰ کی طرف پھرتی ہے۔نہ صرف ان کی رُوح کی طرف اِس لئے رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں بھی ہ کی ضمیر کا مرجع عیسےٰ مع الجسم ہیں۔یہ استدلال نہایت بودا ہے۔اور اس کا پیش کرنا ہی کمزوری کی دلیل ہے ۔

جس* آیت کا حوالہ ہم ابھی دے چکے ہیں۔اسکے ابتدائی حصے میں تو مکذّبین اور متکبرین کا حال ہے اور تکذیب اور تکبّر انسان دُنیا کی زندگی میں مع الجسم کرتا ہے۔مگر اس کے بعد لَھُمْ میں جو ضمیر ہے۔وہ صرف ارواح کی طرف پھرتی ہے۔اگر اسکی مزید تصدیق کی ضرورت ہو۔تو دیکھو مشکوٰۃ شریف میں وہ حدیث باب "مایقال عند من حضرہ الموت" میں جسمیں لکھا ہے۔کہ جب نیک آدمی کی روح جسم سے نکالی جاتی ہے۔تو فرشتے اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ پوچھا جاتا ہے۔کون ہے۔کہا جاتا ہے۔کہ فلاں ہے۔تب اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔خبیث روحوں کے متعلق بھی ایسا ہی سوال ہوتا ہے مگر جب جواب ملتا ہے کہ یہ فلاں ہے۔تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔اور روح کو لوٹا دیا

* اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ۔ پارہ ۸ ع ۱۲

جاتا ہے۔ یہاں رُوح کے لئے فلاں نام لیا جاتا ہے۔ جو اس شخص کا ہوتا ہے جس کے جسم سے وہ رُوح نکلکر گئی ہوتی ہے۔ اس شخص کا نام لینے سے یہ نہیں سمجھا جاتا۔ کہ اس نام کا انسان معہ الجسم آسمان پر آرہا ہے ✽

اس کے علاوہ ہر ایک مومن ہر رکعت میں جلسہ کی حالت میں دُعا مانگتا ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْفَعْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْزُقْنِيْ (ترجمہ) اے خدا مجھے بخش اور آئندہ گناہوں سے بچا میرے اوپر رحم کر۔ مجھے ہدایت بخش۔ مجھے رفعت اور عزت عطا کر۔ اور میری کمزوریوں کو دُور کر اور مجھے رزق دے۔ اس میں تمام ضمیریں دُعا مانگنے والے کی طرف پھرتی ہیں نہ صرف اسکی رُوح کی طرف۔ مگر اس دُعا کے مانگنے والا وَارْفَعْنِيْ کہنے سے جس کے لفظی معنے ہیں مجھے اُٹھا۔ یہ اُمید نہیں رکھتا۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے آسمان پر اُٹھالے۔ پھر اگر رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے معنے یہی کئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسٰے کو معہ جسم اپنی طرف اُٹھا لیا تو بھی مخالفین کا مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر ہے آسمان پر مقید نہیں ہے۔ پس آسمان پر اُٹھانا تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتا ✽

اب ہم شُبِّهَ لَهُمْ کے معانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو معنے مولوی صاحب نے ان الفاظ کے کئے وہ ہم نے کتاب کے شروع میں لکھدئے ہیں۔ مولوی صاحب نے اثنائے وعظ میں یہ دعوٰے کیا تھا۔ کہ میں تمام ثبوت قرآن کریم سے ہی دونگا۔ اور اس سے باہر نہ جاؤنگا۔ اس وعدے کی خلاف ورزی پر مولوی صاحب نے ایک خطرناک تاوان زبان کٹوا دینے کا اپنے ذمے لگایا تھا ✽

شُبِّهَ لَهُمْ کے معنے بتانے میں میرے خیال میں مولوی صاحب قرآن کریم سے باہر چلے گئے۔ کیونکہ جس شخص کی طرف شکل کا تبدیل ہو جانا منسوب کیا جاتا ہے اس کا مذکور قرآن کریم میں نہیں ہے ✽

ہم ایفائے تاوان کا تقاضا نہیں کرتے۔ اس کا ذکر کرنیسے مقصود صرف یہ دکھانا ہے

کہ کمزور بنیاد پر اس قدر تحدی درست نہ تھی ؂

مولوی صاحب کے مسلّمات پر ایک زبردست اعتراض تو یہ وارد ہوتا ہے کہ کسی شخص کی شکل بدل کر دوسری شکل اسکے اوپر چڑھا دینا اللہ تعالیٰ کے صریح حکم لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ پارہ ۲۱ کے خلاف ہے۔ ہم نے مانا کہ اللہ تعالیٰ عزیز حکیم ہے۔ اور ہر ایک چیز پر جسے وہ کرنا چاہے قادر ہے مگر یہ اسکی سنت نہیں کہ خود ہی اپنے محکم احکام کو توڑا کرے ؂

دوم مفسرین اسلام اس بات میں ہرگز متفق نہیں ہیں۔ کہ عیسٰےؑ کی شکل کس نے اور کس وقت اختیار کی۔ اور کون آپ کی جگہ مصلوب ہوا + بعض کے نزدیک یہ ایک شخص طِطیانوس نامی تھا بعض لکھتے ہیں۔ کہ وہ عیسٰےؑ کا ایک حواری تھا جس نے بخوشی خود آپ کی شکل اختیار کرنا اور اپنے مخدوم کی جگہ مصلوب ہونا منظور کیا تھا۔ بعض دیگر مفسروں کی رائے میں یہ وہ شخص تھا جس نے چند روپیوں کے لالچ سے حضرت عیسٰےؑ کو یہود کے ہاتھ پکڑوا دیا تھا۔ اس فعل کی سزا اللہ تعالیٰ نے اسے یہ دی۔ کہ اُسکے چہرہ پر حضرت عیسٰےؑ کی شکل چڑھا دی اور اسے مصلوب کروا دیا۔ ان تمام صورتوں میں بڑے قوی اعتراض واقع ہوتے ہیں ؂

اولاً اگر خوشی سے شکل اختیار کی گئی۔ تو جس حالت میں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھا لیا۔ تو کیا ضرورت تھی۔ کہ آپ کی جگہ آپ کا ایک ہم شکل چھوڑا جاتا؟ مقصود تو حضرت عیسٰے علیہ السلام کو بچا لینا تھا۔ ان کو بچا لینے کے بعد کیوں ایک اور بیگناہ شخص کو آپکی شکل دیکر مروایا گیا؟ ایک چور جو کسی چیز کو چپکے سے اُٹھا کر چل دے بعض اوقات اسکی جگہ ایک نقل چھوڑ جاتا ہے۔ تاکہ چوری کا حال جلد آشکارا نہ ہو۔ اور لوگ جلد اس کے تعاقب میں روانہ نہ ہوں۔ مگر ہمارا خدائے قدیر ان چیزوں سے بالاتر ہے۔ اُسے کوئی احتیاج اس قسم کا دھوکہ دینے کی نہ تھی ؂

ثانیاً۔ اگر کسی شخص کی شکل سزا کے طور پر بدلی گئی تھی۔ تو عقل نہیں مانتی۔ کہ یہ امر اس وقت یا اسکے بعد عرصہ تک کس طرح پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ کہنے کو تو یہ بات چند لفظوں میں

ادا ہو جاتی ہے۔ کہ عیسٰے علیہ السلام کی بجائے ایک دوسرا شخص مصلوب کیا گیا۔ مگر کیا یہ بات مانی جا سکتی ہے۔ کہ جب اُسے اسکی مرضی کے خلاف حضرت عیسٰے کی جگہ صلیب پر چڑھایا گیا۔ تو اُس نے شور واویلا نہ مچایا ہوگا؟ اور کیا اسکے خویش و اقارب و اعزا میں سے کوئی وہاں موجود نہ تھا جس نے اسکی تصدیق کی ہو۔ اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا ہو کہ جس شخصیت کا یہ صلیب یا بندہ مُدعی ہے۔ اس کا مالک کہاں ہے؟ اور اس شخص کا ایسا عجیب دعویٰ کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ فلاں شخص ہوں۔ سامعین کی توجہ کو خصوصیت کے ساتھ کھینچنے والا ہونا چاہئے تھا۔ اگر یہ تمام شور پکار پڑی۔ اور عیسٰے علیہ السلام کی جگہ کوئی دُوسرا شخص مصلوب ہو گیا۔ تو اس کی سند معتبر کتب تواریخ سے دکھائی جائے۔

واقعہ صلیب کے وقت جو دو قومیں یعنے یہود اور نصاریٰ موجود تھیں۔ اور جو اس لئے موقعہ کی گواہ تھیں۔ وہ دونو اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو ہی صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ (اُن کا باہمی اختلاف صلیب کے نتیجے اور صلیب کے بعد کے واقعات سے تعلق رکھتا ہے)۔ صدیوں بعد (بعض مفسرین اسلام نے قصہ ہی نیا چھیڑ دیا۔ کہ صلیب پر کسی اور شخص کو چڑھایا گیا تھا۔ مگر آج تک اس بات پر اتفاق نہیں ہوا۔ کہ یہ صلیب پر چڑھنے والا کون شخص تھا۔

ہمارا دعوٰے ہے۔ کہ کوئی مرفوع متصل حدیث یہ بیان نہیں کرتی۔ کہ عیسٰے علیہ السلام کی جگہ کوئی دوسرا شخص مصلوب کیا گیا۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھا لیا۔

مولوی صاحب ایک تو اِذْ كَفَفْتُ بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ سے اور دوسرے مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ سے یہ ثابت کرتے تھے۔ کہ بنی اسرائیل عیسٰے علیہ السلام کو ہاتھ نہیں لگا سکے تھے۔ کیونکہ مولوی صاحب کے نزدیک اول الذکر آیت کے معنے یہ ہیں۔ کہ "میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے ہٹائے رکھا۔" دوسرا استدلال آپ کا یہ تھا۔ کہ جس نبی کے متعلق اللہ تعالیٰ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ فرمادے۔ اُسے بالضرور اپنے دشمنوں

کے ہاتھ سے محفوظ رہنا چاہئے + ہمارے نزدیک یہ دونو دعاوی بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ایک بزرگتر نبی سیدنا و مولینا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسے ہی پر زور الفاظ فرماتا ہے۔ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (پارہ ۹ ع ۱۸) ترجمہ۔ کفار مکہ خفیہ تدبیریں کرتے ہیں۔ اور اللہ بھی خفیہ تدبیریں کرتا ہے۔ اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے ۔ اور وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (پارہ ۶ ع ۱۴)۔ ترجمہ۔ اللہ تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا ۔ مگر باایںہمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی قوم کی طرف سے اس قدر جسمانی تکلیفیں پہنچی ہیں۔۔ کہ آپ فرماتے ہیں۔ مجھے جسقدر ایذا دی گئی ہے۔ مجھ سے پہلے کسی نبیؑ کو نہیں دی گئی۔ مولوی صاحب بتائیں۔ کہ کیا حضرت نبی کریم صلعم کو تکالیف کے پہنچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ محافظت باطل ہو گیا؟ اگر نہیں تو پھر عیسےٰ ع کو صلیب کی تکلیف کا پہنچنا بھی کَفَفْتُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَنْکَ کو نہیں توڑتا + پھر دیکھیے جہاں حضرت رسول کریم ع کے حق میں اللہ تعالیٰ کے مکر (خفیہ تدبیر) کا نتیجہ فَاٰوٰکُمْ (پارہ ۹ ع ۱۷) فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کے متعلق بھی اسی مصدر سے نکلا ہوا لفظ اٰوَیْنٰھُمَا (پارہ ۱۸ ع ۳) فرمایا گیا ہے۔ اس سے بھی ہمیں کوئی ہرج نظر نہیں آتا۔ کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت نبی کریم ع کو اپنے دشمنوں سے نجات بذریعہ ہجرت کے دی۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ ع کو بھی ہجرت کروا کے بچا لیا۔ ہمارے نزدیک تو مشابہت یہاں تک ہے۔ کہ جہاں حضور علیہ السلام ہجرت سے پیشتر تین روز غار میں چھپے رہے۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ ع بھی واقعہ صلیب کے تین روز بعد تک چھپے رہے۔ اس کے بعد گلیل کو روانہ ہوئے۔ اور پھر جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مزار مبارک حضور کے مقام ہجرت (مدینہ منورہ) میں ہے۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مزار بھی مقام ہجرت (سری نگر کشمیر) میں ہے۔ اور یہی وہ بلند جگہ ہے۔ جسکی طرف اشارہ آیت + وَاٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ

+ ترجمہ ہم نے عیسےٰ اور اسکی والدہ دونو کو ایک اونچی جگہ پر جو ٹھیرنے کے قابل اور شاداب بھی تھی لے جا کر پناہ دی +

ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِينٍ (پارہ ۱۸ ع ۳) میں فرمایا گیا ہے ⁂

رہا یہ سوال کہ اگر حضرت عیسےٰ کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ تو اس میں آپ کو اذیت اور تکلیف پہونچی۔ یہ نہ چاہیئے تھا۔ یہ استدلال بھی غلط ہے۔ کیونکہ نہ تو ایک نبی کو تکلیف پہنچنا۔ اسکی نبوت کا منافی ہوا کرتا ہے۔ اور نہ یہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ کہ نبی کو کسی طرح کا رنج و تکلیف نہ پہنچے۔ مجمل ذکر حضرت نبی کریم صلعم کی تکالیف کا اوپر گذر چکا ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (پارہ ۶ ع ۱۴) کا پختہ اور صاف وعدہ تھا۔ آپ کے دانت مبارک جنگ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ اور کیا جب حضور مکہ کے لوگوں سے تنگ آکر طائف کی بستی کو تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے باشندوں نے آپ پر اس قدر پتھر چلائے تھے کہ آپ کی ساقیں مبارک سے خون بہ رہا تھا؟ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوا کرتی ہیں۔ جنہیں وہ خود ہی خوب جانتا ہے۔ اور دور کیوں جاتے ہو۔ آپکے عقاید اور تفاسیر کے مطابق کیا قرآن کریم اس امر کی شہادت نہیں دیتا کہ بعض بد بخت قوموں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو قتل کر ڈالا؟ کیا یہ انبیاء جو مقتول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے رسل نہ تھے؟

اور اگر یہ عقیدہ درست ہے۔ جو بعض تفسیروں میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے پکڑ لیا تھا۔ اور رات بھر ایک مکان میں قید رکھا۔ اور اسی مکان سے عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے۔ تو اس عقیدے کے لحاظ سے تو اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ کے یہ معنے ہی درست نہیں ٹھیر سکتے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام تک پہنچنے سے باز رکھا۔ ہمارے نزدیک اس آیت کے صحیح معنے یہ ہیں۔ کہ ہم نے تمہاری جان کو بنی اسرائیل کے حملوں سے محفوظ رکھا ⁂

یہاں تک تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے پکڑے جانے اور صلیب سے بچائے جاکر آسمان

⁂ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ طہ ۴ ع ۳ (ترجمہ) (اہل کتاب جن پر ذلت سوار ہے اور جو خدا کے غضب میں گرفتار ہیں)۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ لوگ اللہ کی آئیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور اسکے علاوہ پیغمبروں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے ⁂

پر اُٹھائے جانے کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے دو قرآنی آیتوں سے آپکے نزول کا فرضی ثبوت نکال کر اس سے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ جب کسی آئندہ زمانہ میں آسمان سے اُترنا ثابت ہے۔ تو چڑھنا اور وہاں اب تک ٹھیرے رہنا لازماً ثابت ہوا۔ تعجب ہے کہ مولوی صاحب نے ایسا سخت ناقص استدلال پیش کیا۔ فی الحقیقۃ سوال ہماری طرف سے ہونا چاہیئے۔ کہ جب قرآن مجید سے عیسےؑ کا آسمان پر چڑھنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ فوت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو ہم کس طرح مان لیں۔ کہ آپ آسمان پر زندہ ہیں۔ اور وہاں سے کسی زمانہ میں نازل ہونگے؟ برخلاف اِسکے ہمارے مخالفین اُترنے کے گمان سے چڑھنے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال آیات مذکورہ درج ذیل ہیں +

(ا) وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا - (پارہ ۶ ع ۲) +

(ب)۔ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (پارہ ۲۵ ع ۱۲) +

جو معنی مولوی صاحب نے آیت (ا) کے کئے وہ یہ ہیں کہ (جب عیسےٰ علیہ السلام کسی آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہونگے تو اُس وقت) کوئی اہل کتاب ایسا نہیں ہوگا۔ جو آپ کے وفات پانے سے پیشتر آپ پر ایمان نہ لے آئے۔ اور قیامت کے روز آپ ایسے لوگوں پر شہادت دینگے۔ اور آیت (ب) کے یہ معنے کئے کہ عیسیٰ علیہ السلام (کا نزول ثانی) قیامت کی علامت ہوگا +

سب سے پیشتر یہ بات قابل غور ہے کہ دونوں آیتوں کے معنوں میں عیسےٰ علیہ السلام کے نزول کے الفاظ مولوی صاحب کو اپنی طرف سے لگانے پڑے۔ ورنہ الفاظ قرآن میں نزول کا مطلق ذکر نہیں۔ بالفاظ دیگر جس بات کو ان آیات سے ثابت کیا جاتا ہے۔ اُسے اول بطور محذوف کے فرض کرلیا جاتا ہے۔ یہ عجیب منطق ہے +

آیت (ا) میں لَيُؤْمِنَنَّ مستقبل کا صیغہ ضرور ہے۔ مگر اس سے مستقبل بعید کے معنی

نکالنا یعنی یہ کہنا۔ کہ کسی بعید زمانہ میں اہل کتاب عیسٰے علیہ السلام پر آپ کی وفات سے پیشتر ایمان لے آئینگے۔ سراسر زبردستی ہے جسکے لئے بقول مولوی محمد ابراہیم صاحب نہ ع، بیت سے اور نہ قواعد سے سند ملتی ہے۔ چنانچہ دیکھو مثالیں درج ذیل لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى (پارہ ۶ کی آخری آیت)۔

لَتَجِدَنَّ میں ایسا ہی لام موکدہ اور نون ثقیلہ ہے جیسا لَيُؤْمِنَنَّ میں۔ مگر اس کے معنی ہیں۔ کہ اے نبی صلعم تم یہود اور مشرکوں کو مسلمانوں کے سب سے زیادہ سخت دشمن پاؤگے اور سب سے زیادہ دوست ان لوگوں کو پاؤگے جو کہتے ہیں کہ ہم نصارے ہیں۔ یہ زمانہ جسکے اوپر لفظ لَتَجِدَنَّ کا اطلاق ہے۔ آیت بالا کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ بعید مستقبل نہیں۔ یعنی یہود کی دشمنی اور نصاریٰ کی دوستی کسی دور کے زمانے تک ملتوی نہیں رکھی گئی تھی اور مستقبل تو درکنار ماضی میں بھی یہ دشمنی اور دوستی پائی جاتی تھی۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورہ عنکبوت آخری آیت)

(ترجمہ) جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی۔ ہم اُن کو ضرور اپنے رستے دکھائینگے۔ اِس رہنمائی کا ظہور اس آیت کے نزول کے وقت سے ہی ہوتا رہا ہے۔ اور کسی آئندہ بعید زمانے تک ملتوی نہ رکھا گیا تھا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ (پارہ ۲۵ ع ۱)۔ ترجمہ۔ جب ہم انسان کو تکلیف کے بعد اپنی مہربانی کی لذت چکھاتے ہیں۔ تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا ہو لیا۔ لَيَقُوْلَنَّ وہی صیغہ ہے جو لَيُؤْمِنَنَّ ہے مگر اسکے معنی ہی اردو میں صیغہ حال کے آتے ہیں۔ اور کسی کا ایسا کہنا کہ یہ رحمت جو مجھ پر ہوئی ہے۔ میرا ہی حصہ تھا کسی بعید آئندہ زمانہ سے تعلق نہیں رکھتا۔

ان مثالوں سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ایسے مضارع سے جس کے اول لام تاکیدی

اور آخیر پر نون ثقیلہ ہو۔ بالضرور یہی معنی نہیں ہوتے کہ کسی آئندہ یعنی بعید زمانے میں اس فعل کا وقوع ہوگا۔ لہٰذا سیدھے معنے اس آیت کے یہ ہوئے (اگر موتہ کی ضمیر کا مرجع عیسےٰ علیہ السلام کو قرار دیا جائے) کہ کوئی اہل کتاب نہیں جو عیسےٰ علیہ السلام کی وفات سے پیشتر آپ پر ایمان نہ لے آئے یا نہ لے آئیگا۔ ایسے استقبال محض کا زمانہ آیت زیر بحث کے نزول سے فوراً بعد شروع ہوگیا۔ اس لئے ہمارے مخالفین پر واجب ہے کہ یا تو وہ یہ ثابت کریں کہ اس آیت کے نزول کے بعد آجتک جو اہل کتاب (یہودی) فوت ہوئے ہیں وہ عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان لانیکے بعد فوت ہوتے رہے ہیں ورنہ یہ ماننا پڑیگا کہ جو پیشگوئی اس آیت میں کی گئی ہوئی ہے۔ وہ آج تک معطل رہی ہے۔ کسی آئندہ زمانہ میں پوری ہوا کرے گی۔ موخر الذکر توجیہ کسی مسلمان کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ اس سے قرآن شریف کی پیشگوئی کا ابطال ہوتا ہے۔ اس لئے آیت مذکورہ کے معنی لازماً کچھ اور ہونے چاہئیں صحیح معنے آگے چلکر ہم بیان کرینگے انشاء اللہ تعالےٰ ٭

اب لیجیے آیت وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ۔ میں اس سے پہلے اور پیچھے کی عبارت قرآن کریم سے نقل کرتا ہوں ٭

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (پارہ ۲۵ ع ۱۲)۔

اس کا ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب نے یوں کیا ہے " وہ (یعنی عیسےٰ ع) ہمارے ایک بندے تھے جن کے اوپر ہم نے انعام کیا تھا۔ اور انہیں بنی اسرائیل کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا۔ اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بناتے۔ کہ وہ زمین میں تمہاری جگہ آباد ہوتے اور البتہ عیسےٰ بھی ایک قیامت کی دلیل ہیں تو (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ) تم لوگ قیامت کے آنے میں شک نہ کرو اور میرے کہے پر چلو۔ یہی سیدھا رستہ ہے "

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کے معنے یہ کرتے ہیں کہ "آئینہ عیسےٰ، نشانہ است قیامت را" یعنی عیسےٰ قیامت کا نشان ہیں +

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب بھی یہی معنے کرتے ہیں" اور وہ (عیسےٰ) نشان ہے اس گھڑی کا " یعنے قیامت کا +

ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ ان تینوں ترجموں میں عیسےٰ، کے نزول ثانی کا کہیں مذکور نہیں۔ الفاظ قرآن اور مندرجہ بالا تراجم کے لحاظ سے عیسےٰ کی ذات مبارک قیامت کی علامت ٹھیرتی ہے۔ آپ کے نزول ثانی کو عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (قیامت کی نشانی) قرار دینا سراسر تحکم ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا وجود یوں قیامت پر دلالت کرتا ہے کہ جو خدا عیسےٰ کو بے باپ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ اس بات کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ کہ قیامت میں مُردوں کو جلا اُٹھائے اور یہی معنی اس موقع پر چسپاں ہیں۔ کیونکہ اس سے اوّل جزو آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا بیان ہے (اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے) اور بعد کے الفاظ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (پس قیامت کے آنے میں شک نہ کرو) کے ساتھ بھی یہی معنی موزونیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسےٰ کی بے باپ پیدایش جیسے گذشتہ یقینی واقعہ کو دکھا کر تو ایک آئندہ واقعہ کا جو اُسکے ہمرنگ ہو۔ امکان ثابت کیا جاسکتا ہے اور یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جب ایک ایسی عجیب چیز واقع ہوگئی تو ایک دوسری چیز جو اُسی کے ہم رنگ ہے وہ کیوں نہیں ہوسکتی ہے؟ البتہ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کہ عیسےٰ کے کسی آئندہ زمانہ میں نازل ہونیکے گمان سے (گمان اسلئے کہ آئندہ پیش آنے والا ہر ایک واقعہ گمان کا ہی حکم رکھتا ہے) ایک دوسرے آنیوالے واقعہ پر کس طرح حکم لگ سکتا ہے؟ یعنی اگر آیت زیر بحث کے یہ معنی کئے جائیں کہ" دیکھو کسی آئندہ زمانے میں عیسےٰ علیہ السلام نازل ہوگا۔ اور اُس کے بعد قیامت آئے گی۔ پس اے سننے والو۔ قیامت کے آنے میں شک نہ کرو۔" تو ناظرین انصاف کریں کہ

ان معنوں میں کونسا زبردست استدلال پایا جاتا ہے؟ - اور منکرین قیامت پر ان معنوں سے کس طرح حجت قائم ہوتی ہے اور نزول ثانی سے پیشتر جو لوگ مر جائیں - اُن کو اِس دلیل کی وجہ سے قیامت کے انکار پر کیونکر ملزم ٹھیرایا جا سکتا ہے ؟

حضرت عیسٰےؑ کی پیدائش کو نشان ٹھیرانے کیلئے قرآن کریم کے ایک اور مقام سے بھی تصدیق ہوتی ہے - جہاں اللہ تعالیٰ آپ کی پیدائش سے پیشتر فرماتا ہے وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (سورۂ مریم رکوع ۲) - ترجمہ - تاکہ ہم بنائیں عیسٰےؑ کو لوگوں کے لئے نشانی - پس ثابت ہوا کہ آپ کی پیدائش قیامت کی دلیل ہے نہ کہ نزول ثانی +

اب ہم اِس تمام جرح کے بعد اگر فرض بھی کرلیں کہ عیسٰےؑ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے اور وہاں سے کسی زمانہ میں اُسی جسمانی حالت میں جس میں زمین سے اُٹھائے گئے تھے نازل ہونگے تو اس میں بڑی مشکل پھر یہ ہے کہ ایک طرف تو قرآن کریم کی تکذیب ہوتی ہے - اور دوسری طرف عیسٰےؑ کو حضرت نبی کریمؐ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے جو اسلامی عقائد کے رُو سے غلط ہے - حضرت نبی کریمؐ کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ - (پارہ ۱۷ رکوع ۳) یعنی آپ سے پہلے ہم نے کسی بشر کو ایسا نہیں بنایا - جو تغیرات زمانہ کے اثر سے محفوظ رہے - خلد کے معنی لغت سے ملتے ہیں - دیر تک ایک حالت میں رہنا - اِسی لئے پتھروں کو خوالد کہا جاتا ہے - کیونکہ وہ بہت تغیر پذیر نہیں ہوتے - اور وِلدان مخلدون سے تو تمام قرآن خوان واقف ہیں جسکے معنی ہیں - ایک ہی حالت پر رہنے والے لڑکے - غلمان - مولوی صاحب اس خلد کے معنے ہمیشگی کرتے ہیں - ہمیشگی نتیجہ ہے غیر زوال پذیر ہونیکا + پس لفظ خلد کے مفہوم کے لحاظ سے آیت بالا کے خلاف ہے کہ حضرت عیسٰےؑ ہزار ہا سال ایک حالت پر قائم رہیں - حضرت نبی کریم صلعم پر فضیلت یوں ثابت ہوتی ہے کہ آپ کا جسم مبارک (جسے محض کثیف کہنے پر مسلمان لوگ بگڑ بیٹھا کرتے ہیں) - تو ہر آن اور ہر لحظہ تغیر و تبدّل پاتا رہا ہو اور حضرت عیسٰےؑ کے جسم کو ہزاروں سالوں تک اِس قسم کے استحالہ سے منزّہ سمجھا جائے +

اس قسم کے مسلمات سے مذہب عیسوی کو بہت بھاری تقویت ملتی ہے۔ اور مسلمانوں کے انہیں عقاید کو لیکر عیسائی لوگ حضرت عیسےٰؑ کی الوہیت ثابت کرتے ہیں۔ جب مسلمان لوگ اپنے ہادی و مقتدیٰ حضرت نبی کریم صلعم کو فوت شدہ اور زیر زمین مدفون مان کر عیسائیوں کے نبی حضرت عیسےٰؑ کو اب تک زندہ اور آسمان پر متمکن تسلیم کرلیں۔ تو عیسائی لوگ اس سے اپنے نبی کی فضیلت اور اپنے دین کی صداقت مستنبط کرتے ہیں اور انکے مقابل بھولے بھالے مسلمان اُن کے مُنہ تکتے ہوئے لاجواب رہ جاتے ہیں *

اب ہم واقعہ صلیب کے صحیح حالات لکھتے ہیں۔ جو ہمارے نزدیک محقق ہیں۔ اِس تحقیق میں ہم نے حسب ضرورت انجیل اور تورات سے مدد لی ہے۔ کیونکہ حکم ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پارہ ۱۷ ع ۱)۔ یعنی ایسے معاملات کی تفصیل جن کا قرآن مجید اور حدیث مبارک میں ذکر نہ ہو۔ یا اختصار کے ساتھ ذکر ہو۔ اہل کتاب سے پوچھ لو۔ یعنی اُن کی کتابوں سے لے لو۔ مولوی صاحب کو ان معنوں سے اختلاف ہو تو پڑا ہو مفسرین اسلام نے اسی پر عمل کیا ہے۔ اور یہود اور نصاریٰ کی کتب مقدسہ یا دیگر کتب ہی ان تمام قصوں کا ماخذ ہیں۔ جو قرآن اور حدیث میں نہیں پائے جاتے مگر تفسیروں میں شرح اور بسط کے ساتھ مذکور ہیں اس میں کلام نہیں کہ تورات و انجیل محرف ہو چکی ہیں۔ مگر یہ ضروری نہیں۔ کہ اب اُن میں کوئی بھی صداقتیں باقی نہیں رہیں۔ ہمارے لئے انجیل اور تورات کے اُن حصّوں کے ماننے میں کوئی حرج نہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں *

جب حضرت عیسےٰؑ منصب نبوت سے مشرف ہو کر اپنی قوم بنی اسرائیل کو حق کی تبلیغ کرنے لگے تو قوم نے جیسا کہ ہمیشہ سے دستور رہا ہے۔ آپ کی تکذیب اور مخالفت شروع کی + انبیاء کے کلام میں اکثر استعارات کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی رنگ میں حضرت عیسےٰؑ فرمایا کرتے تھے کہ "آسمانی بادشاہت قریب آگئی ہے"۔ "اور میں یہود کا بادشاہ ہوں"۔ جب یہودی علماء دین کے معاملہ میں آپ کے مقابل براہین و دلائل لانے سے عاجز آگئے

تو پھر انہوں نے آپ کو حکام وقت کے ذریعے نابود کرنا چاہا۔ اور آپ کے اوپر بغاوت کا الزام لگایا۔ جب اس الزام سے حضرت عیسیٰ نے اپنی بریت ثابت کر دی۔ تو اُس پر بھی آپ کے مخالفین رضامند نہ ہوئے۔ اور اس بات پر مُصِر ہوئے۔ کہ کسی نہ کسی طرح سے آپ کو مصلوب کیا جائے۔ اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ اس طریق سے حضرت مسیحؑ کے دعوائے نبوت کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ موسوی شریعت کے مُطابق جو شخص مصلوب ہو جائے وہ لعنتی ہوتا ہے (دیکھو تورات کتاب استثنا باب ۲۱۔ آیت ۲۳)۔ اس حکم کے رُو سے وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کو صلیبی موت دیکر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ کہ آپ نعوذ باللہ لعنتی ہو گئے ہیں اور مومن بھی نہ رہے۔ چہ جائیکہ آپ کو ایک نبی برحق تسلیم کیا جائے + یہ کیفیت تھی اس منصوبہ کی جو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آپ کے مخالف یہود کر رہے تھے۔ اور جس کی طرف مَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ کے ٹکڑے میں اشارہ ہے۔ جب یہ منصوبے ہو رہے تھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو الہام یا کسی اور ذریعہ سے اسکی اطلاع ملی۔ تو اُس وقت آپ کو بتقاضائے بشریت لازماً اضطراب ہوا ہوگا۔ لہذا آپ کو اطمینان دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی ان لوگوں کو منصوبے کرنے دو۔ اور اپنا تمام زور خرچ کر لینے دو۔ میں عزیز و حکیم ہوں۔ میں اُنکے مکروں کو چلنے نہ دوں گا۔ یہ لوگ لاکھ منصوبے تمہیں صلیبی موت دینے کے کریں۔ میں تمہیں بچاؤں گا۔ اور آخر طبعی موت سے وفات دوں گا۔ لعنتی ہونے کی بجائے صالحین اور انبیاء کی طرح تمہیں اپنی طرف اُٹھاؤنگا اور تمہیں صلیب دیکر جو الزام لعنت کا تمہارے دشمن تمہارے اوپر لگانا چاہتے ہیں میں تمہیں اُس سے پاک کرونگا۔ یہ ہیں صحیح معنے اِس آیت کے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ انی متوفیک کے معنی ہیں میں تجھے وفات دوں گا یہی معنے مندرجہ ذیل تفاسیر میں پائے جاتے ہیں۔ تفسیر فتح البیان۔ تفسیر کشاف۔ تفسیر خازن۔ تفسیر در المنثور۔

تفسیر معالمات الاسرار فی مکاشفات الاخیار ÷ دیکھو عسل مصفٰے مصنفہ مرزا خدابخش صاحب۔

یہاں یہ امر بیان کردینے کے قابل ہے۔ کہ نبی کے دل میں اس قسم کے اضطراب کا پیدا ہونا نبی کی شان کا منافی نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو اکثر اس قسم کی سخت تکلیفیں اور ابتلاء پیش آیا کرتے ہیں۔ کہ وہ پکار اُٹھتے ہیں "خداوندا ہمارا تیرے نصرت کے وعدوں پر تو ایمان ہے۔ مگر وہ نصرت آئیگی کب؟" مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتّٰى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (پارہ ۲ ع ۱۰) (ترجمہ) پہنچی اُن کو (مومنوں کو) سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو اُن کے ساتھ تھے۔ چلا اُٹھے کہ آخر خدا کی مدد کے آنے کا کوئی وقت بھی ہے؟ تب پھر وحی الٰہی نازل ہوتی ہے۔ اور مضطرب دلوں کو از سرِ نو اطمینان دلاتی ہے چنانچہ قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرنے کی حکمت اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً اضطراب کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حوصلہ دیا جائے۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيلًا (پارہ ۱۹ ع ۱) ترجمہ قرآن کو تھوڑا تھوڑا ہم نے اِسلئے اُتارا۔ کہ (اے نبی) تیرے دل کی ڈھارس باندھیں ÷ ایک اور مقام اضطراب میں حضور کو مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (ترجمہ۔ نہ تمہارے پروردگار نے تمہیں چھوڑا ہے اور نہ تم سے ناخوش ہوا ہے) فرما کر تسلی دی ÷ بعض اوقات تو نصرت الٰہی کے آنے میں اسقدر تاخیر ہوتی ہے۔ کہ رسول قوم کیطرف سے آس توڑ بیٹھتا ہے۔ حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا۔ (پارہ ۱۳ ع ۶) ترجمہ۔ یہانتک کہ رسول قوم سے ناامید ہوگئے۔ اور مخالفین کو گمان ہوا۔ کہ انکے ساتھ وعدہ خلافی کی گئی۔ تب عین وقت پر ہماری مدد ان کے پاس پہنچی÷

اب میں اس جزو قرآن مجید کو لیتا ہوں۔ جہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی نفی کی گئی ہے حضرت حق سبحانہ فرماتا ہے وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ

*سورۃ الضحٰی ۱۲

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (پارہ ۶ ع ۲)۔ ترجمہ۔ (ہم نے یہود کو پھٹکار دیا) اُن کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسٰےؑ مسیح کو جو رسولِ خدا ہونے کا دعوےٰ کرتے، تھے قتل کر ڈالا (اور حقیقت حال یہ ہے کہ)۔ نہ تو انہوں نے اُنکو قتل کیا اور نہ مصلوب کیا۔ مگر ان کو تشبیہ دکھائی گئی۔ اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ شک میں پڑے ہیں۔ اُن کے پاس (صحیح) علم نہیں +صرف ظن کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور عیسٰےؑ کو یہود نے یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے ۞

مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے صحیح معنے یہی ہیں۔ کہ نہ تو عیسٰےؑ کو صلیب کے ذریعہ مارا گیا۔ اور نہ کسی اور ذریعہ سے قتل کیا گیا (بلکہ اپنی طبعی موت سے فوت ہوئے) یہاں ایک سوال تو یہ اُٹھتا ہے کہ مَا صَلَبُوْهُ کے یہ معنی کیوں کئے جاتے ہیں۔ کہ صلیب کے ذریعے مارا نہیں گیا؟ اور دوم یہ کہ اگر صلیبی موت کی نفی کرنی تھی تو مَا صَلَبُوْهُ کے علاوہ مَا قَتَلُوْهُ کیوں فرمایا؟ اِن کے جواب میں عرض ہے کہ صلب کے معنی ہی یہی ہیں کہ +"صلیب پر چڑھا کر کسی کو مار دینا" پس یہی معنی صحیح ہیں کہ صلیب پر موت نہیں پائی۔ اور یوں بھی جب ہم کسی شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ اُسے پھانسی دی گئی۔ تو پھانسی دینے کے مفہوم میں یہ تمام مدارج شامل ہوا کرتے ہیں (۱) شخص مذکور کو پھانسی کی جگہ پر چڑھایا گیا۔ (۲) اُسکے گلے میں پھندا ڈالا گیا۔ (۳) پھر اُسے لٹکا دیا گیا (۴) یوں لٹکا رہنے دیا حتیٰ کہ اُسکی رُوح جسم سے نکل گئی۔ اور وہ مر گیا + اگر کسی شخص کے متعلق پھانسی دینے کے پہلے تین مدارج طے ہو چکیں۔ مگر آخری وقت پر کسی وجہ سے اُس شخص کی جان بخشی ہو جائے۔ تو اُسکی نسبت عملاً یہی کہا جائیگا کہ اُسے پھانسی نہیں دی گئی۔ کیونکہ پھانسی دینے کا اصل مقصود مارنا ہوتا ہے۔ پس جس شخص کو پھانسی کے مقام پر چڑھا کر جان نکلنے سے

+ صلب کے معنے تاج العروس شرح قاموس اور لسان العرب میں لکھے ہیں ھذہ القتلۃ المعروفہ یعنے وہ قتل کرنیکا طریقہ جو معروف اور معلوم ہے۔ انگریزی عربی لغات میں اسکے معنے لکھے ہیں "To crucify" جسکے معنے ہیں To kill by hanging on the cross

پہلے اُتار لیا جاوے وہ پھانسی نہیں دیا گیا + اب رہا دوسرا سوال کہ ماصلبوہ کے علاوہ ماقتلوہ کیوں کہا گیا۔ اس کا جواب گذر چکا ہے کہ یہودی لوگ حضرت عیسےٰؑ کے متعلق* دو عقیدے رکھتے تھے خود قرآن کریم میں بھی ان کی زبانی عیسےٰؑ کو قتل کرنے کا دعوے ہے صلیب پر مارنے کا نہیں۔ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ماقتلوہ وماصلبوہ فرماکر یہودیوں کے دونوں عقیدوں کی تردید کر دی +

اب ہمارے ذمے یہ بتانا ہے کہ واقعہ در اصل ہوا کیا؟ اسکے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ (ترجمہ) انکے یعنی یہودیوں کے لئے ایک تشبیہ پیدا کر دی گئی۔ نہ اس طرح سے کہ ایک اور شخص پر عیسےٰؑ کی شکل چڑھا دی۔ بلکہ اس طرح کہ حضرت عیسےٰؑ کو کالمقتول اور کالمصلوب بنا دیا گیا۔ اور دیکھنے والوں کو یہی معلوم ہوا۔ کہ آپ کی جان نکل گئی۔ اس جگہ یہ واضح ہو جانا چاہیئے۔ کہ صلیب کوئی ایسی چیز نہیں تھی۔ جسکے اوپر کسی شخص کو چڑھا دینے سے موت فوراً واقع ہو جاتی ہو صلیب پر چڑھانے کا قاعدہ یہ ہوا کرتا تھا۔ کہ صلیب پانیوالے شخص کے دونوں بازو پھیلا کر دونوں ہاتھ ایک لکڑی پر کیلوں سے گاڑ دئے جاتے تھے اور ٹانگیں دوسری لکڑی کے ساتھ۔ اس طرح کم از کم تین دن رات لٹکا رہنے دیتے پس یوں مصلوب کچھ تو زخموں کی تکلیف کی وجہ سے اور کچھ بھوک پیاس کے باعث آخر کار جان بحق ہو جاتا تھا۔ حضرت عیسےٰؑ کو صلیب پر کھینچ تو دیا گیا مگر آپ اُس پر صرف چند گھنٹے رہے۔ جیسا کہ انجیلوں سے ثابت ہے + ان چند گھنٹوں کی تکلیف کے باعث جن میں آپ صلیب پر لٹکے رہے۔ آپ پر غشی طاری ہو گئی اور آپ کی حالت اس قدر موت سے مشابہ ہو گئی۔ کہ دیکھنے والوں نے یہی گمان کیا۔ کہ آپ کی روح جسم سے پرواز کر گئی ہے + ہمارے نزدیک یہ ہے صحیح کیفیت وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کی + اس میں نہ کسی شخص کو قرآن کریم کے باہر سے لانا پڑتا ہے۔ اور نہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا قانون لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ٹوٹتا ہے + اب رہا اس امر کا ثابت کرنا۔ کہ آیا جسوقت

* دیکھو صفحہ (۹) ہذا

حضرت عیسٰےؑ کو صلیب سے اُتارا گیا۔ تو آپ زندہ تھے یا کہ موت وارد ہو گئی تھی۔ اِسکے متعلق بڑی زبردست شہادت آپ کی زندگی کی ملتی ہے۔ سب سے اوّل یہ کہ آپ صلیب پر صرف چند گھنٹے لٹکے رہے اور صرف ہاتھوں اور پاؤں کے زخمی ہونے اور صلیب پر ایک قلیل عرصہ لٹکے رہنے سے جان نہیں نکل سکتی تھی + اسی وجہ سے جب حاکم پلاطس سے آپ کی لاش کے لئے درخواست کی گئی تو اُس نے متعجب ہو کر پوچھا۔ کہ مسیح ایسا جلد مر گیا؟ دیکھو مرقس باب ۱۵۔ آیت ۴۴۔

دوم۔ دو چور جنکو آپکے ساتھ صلیب پر چڑھایا اور ساتھ ہی اُتارا گیا۔ اُترنے کے وقت زندہ تھے۔ اُنکی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے اُن کی ٹانگیں توڑی گئیں یوحنا ب ۱۹۔ آیت ۳۲ و

سوم۔ برعکس اسکے حضرت عیسٰےؑ کی ہڈیاں نہ توڑی گئیں۔ یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۳ + آپ کے ساتھ جو یہ خاص رعایت کی گئی۔ اسکی بھاری وجہ تو یہ تھی۔ کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے کالمقتول بنادیا اور دیکھنے والوں کو آپ کے مرجانے کا یقین ہو گیا + اس کے علاوہ حاکم پلاطس کی بیوی کو خواب آیا تھا جو اُس نے اپنے خاوند کو کہلا بھیجا۔ (دیکھو متی باب ۲۷ آیت ۱۹) ممکن ہے۔ کہ اس خواب کی وجہ سے حاکم پلاطس کی طرف سے (صلیب سے اُتارنے والے بعض) سپاہیوں کو ایماء ہو۔ کہ حتی الوسع عیسٰےؑ کو بچایا جائے۔ سو اللہ خیر الماکرین ہے اُس نے آپ کے بچ جانیکے اسباب پیدا کر دئیے۔ ورنہ بے روح جسم کی خواہ ہڈیاں توڑدو۔ خواہ اسکے ساتھ کوئی اور سلوک کرو۔ اس کے لئے یکساں ہوتا ہے۔ ایک شخص کو مردہ سمجھ کر اسکی ہڈیاں نہ توڑی گئیں یہ ظاہر وجہ تھی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ تڑوانا نہ چاہتا تھا +

چہارم۔ ایک زبردست ثبوت حضرت عیسٰےؑ کا صلیب پر سے زندہ اُتارے جانے کا اس بات سے ملتا ہے۔ کہ اُتارے جانے کے بعد جب ایک سپاہی نے آپ کی پسلی میں بھالا (نیزہ) مارا تو وہاں سے خون اور پانی نکلا۔ (دیکھو یوحنا باب ۱۹۔ آیت ۳۴)۔ ثابت ہوا کہ ابھی تک آپ کی جان نہ نکلی تھی۔ کیونکہ مردہ جسم سے خون نہیں نکلتا +

پنجم۔ آپ کی لاش (جسم) کے لئے سرکاری حکم ہو گیا۔ کہ یوسف ارمتیاہ کو جو آپ کا درپردہ

مرید نکال لے جائے۔ اسلئے جسم مبارک اسکے سپرد ہوا۔ اور ایک قبر* میں جو چٹان کے اندر کھدی ہوئی تھی رکھا گیا۔ وہاں سے آپ کو جلدی ہی کسی اور جگہ منتقل کر دیا گیا۔ کیونکہ تیسرے روز آپ کا جسم اُس قبر میں موجود نہ تھا۔ دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۱۲) رفتہ رفتہ علاج معالجہ سے آرام و صحت پا کر آپ متعدد دفعہ اپنے حواریوں اور مریدوں کو ملے اور آخر کار وہاں اپنا خلیفہ مقرر کر کے خود ہجرت فرما گئے۔ دیکھو یوحنا باب ۲۱۔ آیت ۱۶ تا ۱۸ *

ششم۔ اب تو امریکہ میں ایک* پرانی انجیل کا انگریزی ترجمہ چھپ گیا ہے۔ جسے پادری صاحبان آجتک دباتے چلے آتے تھے۔ جس میں صاف لکھا ہے کہ حضرت مسیح ؑ صلیب پر مرے نہ تھے۔ بیہوش ہو گئے تھے۔ مگر اس وقت سب نے یہ خیال کیا کہ مر گئے ہیں۔ جب صلیب سے اُتارا تو کسی ایک آدھ نے محسوس کیا کہ جان باقی ہے۔ اس واسطے پہرہ داروں کی منت خوشامد کر کے ہڈیوں کے توڑنے سے بچا لیا۔ یہودی کوئی موجود نہ تھا۔ سب عید فسح کی تیاری کے سبب چلے گئے تھے اس واسطے جان بچ جانے کے اسباب پیدا ہو گئے۔ اور جان بچا کر وہ کسی اور ملک کو چلے گئے *

واقعہ صلیب کے بعد حضرت عیسٰےؑ کا علاج معالجہ ہوتے رہنے کا ثبوت اس سے ملتا ہے۔ کہ آجتک ایک مرہم مرہم عیسٰےؑ کے نام سے مشہور ہے جو زخموں کے اندمال کے لئے مفید ہے۔ اس مرہم کا دوسرا نام مرہم حواریین ہے۔ اور تیسرا نام مرہم رسل ہے یہ تینوں نام تو کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ چوتھا نام مرہم سلیخا ہے سلیخا کے معنی یُونانی زبان میں بارہ کے ہیں۔ جیسے عیسٰےؑ کے بارہ حواری تھے۔ ایسا ہی اس مرہم کے اجزاء بھی بارہ ہی ہیں۔ دیکھو قرابادین قادری مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۵۰۲ ترجمہ اردو کیمیائے عناصری یہ مرہم اکثر دیگر معتبر کتب طب میں بھی پائی جاتی ہے۔ جن میں سے چند کے نام یہاں

* یہ قبر مسلمانوں کی قبروں کی طرح نہ تھی۔ اور کم از کم اتنی فراخ تھی کہ اسکے اندر متعدد اشخاص سما سکتے تھے اور آدمی اسکے اندر باہر آسانی سے آجا سکتے تھے قبر کے منہ پر ایک پتھر دیا گیا تھا جو تیسرے روز ہٹا ہوا پایا گیا دیکھو لوقا باب ۲۴۔ یوحنا ۲۰/۱

The crucifixion by an eye witness. *

درج کئے جاتے ہیں۔ قانون شیخ الرئیس بوعلی سینا۔ اکسیر اعظم۔ طب اکبر۔ کتاب میزان الطب پیدی کتاب الطب داراشکوہی۔ قرابادین علوی۔ علاج الامراض وغیرہ ؁

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے دعوے نبوت کے بعد اس قلیل یعنے ۳½ سالہ زندگی میں جو آپنے ملک شام میں صرف کی صلیب کے سوا کوئی ایسا واقعہ نہیں گذرا۔ جبکہ آپ کو سخت زخم لگے ہوں۔ اور ان زخموں کے علاج کے لئے ایک مرہم تیار کی گئی ہو۔ قبل نبوت کا یہ واقعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس وقت آپ کے حواری کہاں تھے؟

واقعہ صلیب کے بعد حضرت عیسےٰ کے اپنے شاگردوں کو ملنے کا انجیل میں یوں مذکور ہے۔ یوحنا باب ۲۰۔ آیت ۱۹ و ۲۰ "پھر اسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا۔ شام کے وقت جب وہاں کے دروازے جہاں شاگرد تھے۔ یہودیوں کے ڈر سے بند تھے یسوع آکر بیچ میں کھڑا ہوا۔ اور ان سے کہا۔ کہ تمہاری سلامتی ہو۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنے ہاتھ اور پسلی† انہیں دکھائی۔ پس شاگرد خداوند کو دیکھ کر خوش ہوئے" ؁

مندرجہ بالا ملاقات کے وقت ایک شخص توما موجود نہ تھا۔ جب باقی شاگردوں نے کہا کہ ہم نے خداوند کو دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ "جب تک میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لوں اور میخوں کے سوراخوں میں اپنی انگلی نہ ڈال لوں۔ اور اپنا ہاتھ اس کی پسلی† کے اندر نہ ڈال لوں۔ ہرگز یقین نہ کروں گا" یوحنا باب ۲۰ آیت ۲۵ اب دیکھو۔ آیتیں ۲۶ و ۲۷۔ "آٹھ روز کے بعد جب اس کے شاگرد پھر اندر تھے۔ اور توما ان کے پاس تھا۔ اور دروازے بند تھے۔ تو یسوع آیا اور بیچ میں کھڑا ہو کر بولا۔ تمہاری سلامتی ہو۔ پھر اس نے توما سے کہا کہ اپنی انگلی پاس لا کر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لا کر میری پسلی† میں ڈال اور بے ایمان نہ بن بلکہ ایماندار ہو جا"

اس کے بعد ایک اور ملاقات کا حال یوحنا باب ۲۱ میں لکھا ہے۔ جس وقت کہ یسوع

† یہ غالباً وہ زخم تھا۔ جو صلیب سے اُتارنے کے بعد پسلی میں بھالا مارنے سے ہو گیا تھا جس کا ذکر صفحہ ۲۸ پر گذر چکا ہے ؁

نے اپنے شاگردوں کی پکڑی ہوئی مچھلیاں کھائیں۔ دیکھو آیت ۱۱ ؂

عیسائی لوگ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ یسوع صلیب پر مرجانیکے بعد تین دن مُردہ رہا۔ وہ پھر جی اُٹھا۔ اور مندرجہ بالا ملاقاتیں دوبارہ جی اُٹھنے کے بعد کیں۔ یہ غلط ہے ؂

انجیل کے الفاظ سے نظر آتا ہے۔ کہ تینوں مندرجہ بالا ملاقاتیں پوشیدگی کی حالت میں ہوئیں۔ اگر یسوع واقعی مرکر جی اُٹھا تھا۔ تو پھر اسے نہ یہودی علما کا اور نہ یہودی حاکموں کا خوف ہوسکتا تھا۔ کیونکہ وہ لوگوں کی شرارتوں سے محفوظ ہوتا۔ بلکہ مرکر جی اُٹھنے کے بعد اگر آپ عوام النّاس پر ظاہر ہوتے۔ تو یہ ایک بڑا عظیم الشان معجزہ ہوتا۔ جس کی وجہ سے لوگ کثرت کے ساتھ آپ کے دین میں داخل ہوتے۔ مگر بات یہ ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد بھی آپ اور آپ کے شاگرد یہودی شریروں کی شرارتوں سے ایمن نہ تھے۔ اِس لئے جس قدر ملاقاتیں ہوئیں۔ چھپ چھپ کر ہوئیں۔ تاکہ یہودی آگاہی نہ پائیں۔ اور پکڑ کر پھر از سرِ نو مارنے کے درپے نہ ہوں ؂

ایک اور طرح بھی یسوع کے مرکر جی اُٹھنے کی تکذیب ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ کہ جب مسیح علیہ السلام سے آپ کے دعوٰے نبوت پر معجزہ مانگا گیا۔ تو آپ نے جواب دیا تھا۔ کہ "بری اور زناکار قوم نشان ڈھونڈھتی ہے۔ مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اسکو نہ دیا جائیگا۔ اور وہ انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔" متی باب ۱۶۔ آیت ۴ ؂

یونس کے نشان کی تشریح متی باب ۱۲۔ آیت ۴۰ میں یوں کی گئی ہے ؂

"کیونکہ جیسا یونسؑ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔" (نوٹ۔ انجیل میں ابن آدم عیسٰےؑ کو کہا گیا ہے) ؂

اس سے زیادہ واضح اور کیا ثبوت مل سکتا ہے۔ کہ جیسے یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسٰےؑ کی پیشگوئی اپنے متعلق بھی زمین کے اندر زندہ رہنے کی تھی۔ اور یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی۔ کہ آپ کو واقعہ صلیب کے بعد

زندہ مقبرہ میں رکھا گیا۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب کچھ کچھ شفایاب ہو کر عیسےٰ علیہ السلام شاگردوں سے ملے۔ تو اس وقت علاوہ شاگردوں کے بعض یہود نے بھی آپ کو دیکھ لیا ہوگا۔ پس کچھ تو ان کو اس وجہ سے اور کچھ اس لئے کہ جس مقبرے میں آپ کی لاش یا جسم رکھا گیا تھا۔ وہ تیسرے روز خالی پایا گیا۔ یہود کو شک پڑ گیا۔ کہ جس شخص کو ہم نے صلیب پر مار دیا تھا۔ وہ اب پھر کیونکر زندہ چل پھر رہا ہے۔ اس پر آپ کے شاگردوں نے غالباً یہ بات بناکر مشہور کی۔ کہ یسوع مردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اور اسی پر وہ اختلاف اُٹھا۔ جس کی طرف آیت [۱] اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ۔ میں اشارہ ہے۔ اور اس پر چونکہ یہود سوال کرتے۔ کہ ہمیں مردوں سے جی اٹھا ہوا یسوع دکھاؤ۔ اور دکھانا قرینِ مصلحت نہ تھا۔ ساتھ ہی یہ بات بھی بنادی گئی۔ کہ وہ جی کر آسمان پر چڑھ گیا[۲]۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ کہ یہود نے عیسےٰ ع کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا۔ (کیونکہ واقعہ صلیب کے تیسرے روز ہی شک میں پڑ گئے)۔ بلکہ بجائے اس کے کہ حضرت عیسےٰ ع صلیب پر چڑھنے سے لعنتی ہوتے۔ اور یہود کی خواہشات کے مطابق جہنم میں گرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اُٹھالیا۔ جیسا مجوزہ گرنا خاکی جسم کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا تھا۔ ویسا ہی اُٹھایا جانا بھی جسم سے متعلق نہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ کہ وہ یہود کو اپنے ناپاک ارادہ قتل مسیحؑ میں کامیاب ہونے دیتا؟ رہی تکالیف اور دکھ۔ اس سے کوئی نبی بچا نہیں۔ اور یہ آزمائشیں انبیاء کی ترقی درجات کا باعث ہوا کرتی ہیں۔ اس کا ذکر پیشتر گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیزاً حکیماً ضرور ہے۔ مگر

---

[۱] (ترجمہ) جن لوگوں نے قتل کے معاملے میں اختلاف کیا۔ وہ اسکے متعلق شک میں ہیں۔ انکے پاس قطعی علم نہیں صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں[۲] عیسائی لوگ کوئی عینی شہادت عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھنے کی نہیں پیش کر سکتے ۱۲

اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اس نے عیسٰےؑ کو آسمان پر ہی اُٹھا لیا۔ عزیزاً حکیماً کے معنوں میں یہ چیز ہرگز داخل نہیں ہے۔ کہ وہ اپنے خاص بندوں کو دشمنوں سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیا کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی اِن دونوں صفات عزیز و حکیم کا کثرت کے ساتھ ذکر ہے۔ سچ پوچھو تو تمام کارخانہ ارض و سماوات بلکہ ان میں کا ہر ایک ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی عزیز و حکیم صفات کا مظہر ہے۔ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ[ملہ] (سورہ حشر آخری آیت) اس پر شاہد ہے۔ اسکے عزیز حکیم ہونے کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ وہ نوع بشر کو اپنے مقرر کردہ قوانین کے خلاف آسمان پر چڑھائے جائے۔ قرآن میں اللہ تعالےٰ مومنوں کو اپنے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے دعا سکھاتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ط پارہ ۲۸ ع ۷ + ترجمہ اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کے لئے تختۂ مشق نہ بنا۔ اور اے پروردگار ہمارے ہم کو بخش۔ تحقیق تو غالب اور حکمتوں والا ہے + اس دعاء کے مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ شرِ دشمناں سے بچا لیتا ہے۔ مگر باوجودیکہ یہاں صفاتِ عزیز حکیم مذکور ہیں۔ ان کو آسمان پر نہیں اُٹھاتا۔ عیسٰےؑ کو بھی دُنیا پر رکھ کر ہی اللہ تعالےٰ بچا سکتا تھا۔ اور بچا لیا +

وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا۔

اس آیت کے صحیح معنے میرے نزدیک یہ ہیں۔ کہ کوئی اہل کتاب نہیں۔ جو اپنے مرنے سے پیشتر اس بات پر ایمان نہ رکھتا ہو یا نہ رکھیگا۔ کہ حضرت عیسٰےؑ یا تو صلیب کے ذریعے یا کسی دوسرے ذریعے سے (جیساکہ صلبوا ور قتلو سے ظاہر ہوتا ہے نیز دیکھو) قتل کئے گئے (مرنیکے بعد اصل واقعات اس پر منکشف ہو جائینگے) اور روز قیامت کو عیسٰےؑ ان پر شہادت

ملہ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے +

دیں گے ؛

لیکونَ مِنّا ؔ کے صیغہ پر مفصل بحث پہلے حصہ کتاب میں گذر چکی ہے۔ اسکو مدِنظر رکھ کر مندرجہ بالا معنے نہایت آسانی سے نکلتے ہیں۔ اور ان میں کوئی دِقّت اور تکلّف نہیں رہا یہ امر کہ یہ شہادت کس قسم کی ہوگی۔ جو عیسے علیہ السلام اہلِ کتاب پر روز قیامت کو دینگے۔ سو یا تو یہ وہ شہادت ہوگی۔ جو ہر ایک نبی اپنے منکرین کے خلاف دے گا۔ وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِی کُلِّ اُمَّۃٍ شَھِیْدًا عَلَیْھِمْ مِّنْ اَنْفُسِھِمْ وَجِئْنَا بِکَ شَھِیْدًا عَلٰی ھٰؤُلَآءِ۔ (پارہ ۱۴ع ۱۸) ترجمہ۔ قیامت کے روز ہم ہر ایک اُمّت میں سے ان ہی میں کا ایک گواہ (پیغمبر) ان کے مقابل کھڑا کرینگے۔ اور اے پیغمبر ان کفّار مکہ کے مقابل تمہیں گواہ بنا ئینگے ؛ یا یہ وہ شہادت ہوگی۔ جو ہر ایک رسول اپنے اُمتیوں کے متعلق دے گا۔ یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ۔ پارہ ۱۵ ع ۸ (ترجمہ) قیامت کے روز ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں سمیت بلا ئینگے ؛ واقعہ صلیب کے متعلق یہود اور نصاریٰ دونوں قومیں ملزم ہیں۔ یہود اس لحاظ سے کہ انہوں نے آپ کو صلیب پر چڑھایا۔ اور نصاریٰ اس لئے کہ اُنہوں نے صلیبی موت کو مان لیا اور پھر اسے ذریعہ نجات ٹھیرایا۔ لہٰذا یہ شہادت دونوں قوموں کے متعلق درست آتی ہے ؛

اس کے علاوہ بھی قرآن کریم پکار پکار کر اس امر کی شہادت دے رہا ہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح وفات پا چکے ہیں ؛

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِہٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (پارہ ۷، ع ۶) +

ان آیات کے معنے مولوی محمد ابراہیم صاحب اور ہمارے مسلمات کے رو سے یہ ہیں۔ کہ۔ جب روز قیامت کو اللہ فرمائیگا۔ کہ اے عیسٰے بن مریم کیا تو نے اپنی امت سے کہا تھا۔ کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا مانو۔ تو حضرت عیسیٰ ع عرض کرینگے۔ کہ اے مولےٰ تو پاک ہے۔ میری مجال ہو سکتی ہے کہ میں ایسی بات کہوں جس کا تو نے مجھے حکم نہ دیا ہو؟ اگر میں نے کہا ہوگا۔ تو تجھے ضرور معلوم ہؤا ہوگا۔ تو میرے دل کی بات جانتا ہے۔ میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا غیب کی باتیں تو ہی جانتا ہے۔ مَیں نے تو ان لوگوں سے وُہی کہا تھا جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا۔ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں ان لوگوں میں رہا۔ ان کا نگراں حال رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی [1]۔ تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ اور تو تمام چیزوں کی خبر رکھتا ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے۔ تو تجھے اختیار ہے۔ یہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو ان کو معاف کردے۔ تو کوئی تیرا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ کیونکہ تو غالب اور حکمت والا ہے +

پس خلاصہ مطلب عیسٰے ع کی معروض کا یہ ہوگا۔ کہ جب تک میں اپنی اُمت میں رہا تب تک تو وہ بگڑے نہ تھے۔ اور مجھے اور میری ماں کو خدا نہ مانتے تھے۔ البتہ جب تُو نے مجھے وفات دیدی۔ تو اس کے بعد کی مجھے خبر نہیں۔ کیا ہوئے۔ کہ میری اُمت میرے مرنے کے بعد میری پرستش کرنے لگی۔ چونکہ عیسائی تو بس موجودہ وقت میں عیسٰے ع کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتی ہیں۔ تو ثابت ہوا۔ کہ اِس وقت عیسٰے علیہ السلام زندہ نہیں ہیں۔ اگر اس وقت زندہ ہوں اور کسی زمانے میں نازل ہونے والے ہوں۔ تو خدا کے حضور اُن کا یہ جواب جو آیات بالا

[1] دیکھو تفسیر بغوی جو صفحہ ۷ پر درج ہے +

ہیں درج ہے درست نہیں ہوسکتا۔ انہیں کہنا چاہئے تھا کہ البتہ جب میں دُوسری دفعہ زمین پر گیا۔ تو میں نے اپنی اُمت کو اپنی پرستش میں مبتلا دیکھا۔ اور میں نے ان کو اس غلطی سے ہٹایا۔ سرے سے اس عقیدے سے لاعلمی ظاہر کرنا کسی طرح درست نہیں ٹھہر سکتا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ جو عبادت آپ کی آج دُنیا میں ہورہی ہے۔ آپ قیامت کے روز خدا کے حضور اس سے لاعلمی کا اظہار فرمائینگے۔ دیکھو سورہ یونس ع ۳۔ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِيْنَ۔ یعنے جن کو لوگ شریک خدائی بناتے ہیں۔ وہ قیامت کے روز اپنے پرستاروں سے کہیں گے۔ کہ خدا شاہد ہے "ہم کو تمہاری پرستش کی مطلق خبر نہ تھی"۔ اگر عیسے علیہ السلام کسی آیندہ وقت میں دُنیا پر آنے والے ہوں۔ تو وہ ضرور اپنی قوم کی عبادت سے واقف ہونگے۔ پھر مندرجہ بالا بیان صداقت کے ساتھ کس طرح دے سکیں گے۔ اور جھوٹ کسی نبی اللہ کی طرف منسوب کرنا کمال گستاخی ہے۔

اُمید ہے کہ ان تمام دلائل سے جو ہم نے لکھے ہیں۔ انصاف پسند طبائع پر واضح ہوگیا ہوگا۔ کہ قرآن کریم سے عیسے علیہ السلام کا آسمان پر چڑھنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ زبردست شہادت قرآن مجید اور اناجیل سے اس بات کی ملتی ہے۔ کہ یہودیوں نے آپ کو صلیب پر چڑھایا اور مارنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مگر عزیز و حکیم خدا نے آپ کو ان موذیوں کے ہاتھوں سے بچایا اور اس کے بعد چونکہ اب جان کا خطرہ تھا۔ آپ کو وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام خطرۂ جان کے وقت باذن الٰہی ہجرت کرتے رہے ہیں۔ ایک حضرت نبی کریم کی مثال کو ہی دیکھ لو۔ ہجرت کے بعد عیسے علیہ السلام نے افغانستان۔ تبت۔ اور ہندوستان وغیرہ میں سفر کیا۔ اور آخر وفات پاکر سری نگر واقعہ کشمیر میں مدفون ہوئے۔ جو صاحب اس سیاحت کے مفصل حالات دیکھنا چاہیں۔ وہ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں۔ "مسیح ہندوستان میں" "راز حقیقت" مصنفہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

بہت زور اس بات پر دیا جایا کرتا ہے۔ کہ آج تیرہ سو برس تک تو یہ عقیدہ چلا آیا ہے۔

کہ حضرت عیسےٰ ع آسمان پر زندہ ہیں۔ آج مرزا صاحب نے یہ نیا مسئلہ نکالا ہے۔ کہ آپ فوت ہو چکے ہوئے ہیں + اس کا جواب یہ ہے۔ کہ "اجماع امت" ہرگز عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھ جانے پر نہیں ہا ہے + بات یہ ہے۔ کہ عوام الناس کو ذاتی علم تو ہوتا نہیں۔ جب وہ کسی بات کو دو ایک مولویوں کی زبانی سن لیں۔ تو سمجھتے ہیں۔ کہ درست عقیدہ یہی ہے۔ اور اس سے اختلاف رکھنے والا اگر کافر نہیں تو گمراہ ضرور ہے۔ مولوی لوگ اپنے سامعین کو یہ نہیں بتایا کرتے۔ کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ انکی تو خواہش یہی ہوا کرتی ہے۔ کہ جو کچھ ہم بیان کریں۔ اسے بلا دلیل و حجت تسلیم کر لیا جاوے۔ ورنہ کیا مولوی محمد ابراہیم صاحب اس بات سے ناواقف تھے۔ کہ اس مسئلہ حیات و وفات مسیح میں صدیوں سے اختلاف چلا آیا ہے؟ پھر کیا وجہ وہ اس بات پر زور دیتے تھے۔ کہ صحیح ایمان ہی یہ ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ سمجھا جائے۔ عوام الناس کو چونکہ مضمون کے دوسرے پہلو کے سننے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ اسلئے وہ یہی سمجھتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہمیں سنایا جاتا ہے۔ وہی درست ہے۔ اور کبھی کسی بزرگ نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت نبی کریم صلعم نے خود حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کی شہادت دی۔ جب آپ نے مرض الموت میں حضرت فاطمہ رضہ کو فرمایا۔ کہ جبرائیل ع مجھے خبر دیتا ہے۔ کہ عیسےٰ ع کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ سال تھی۔ دیکھو حدیث مبارک مندرجہ ذیل جو طبرانی اور مستدرک میں حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے اور جسکے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔ اَخْبَرَنِيْ اَنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ۔ (ترجمہ)۔ جبرائیل نے مجھے خبر دی کہ عیسےٰ ابن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہا + بہت دلیر ہیں وہ لوگ جو اس حدیث کے خلاف عیسےٰ علیہ السلام کو آجتک زندہ قرار دیکر آپ کو اس وقت ۱۹۰۰ سال کے قریب عمر دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت امام بخاری اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ جیسے بزرگوں کا اعتقاد یہی ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ ع دیگر انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہوئے ہیں۔ حضرت ابو حنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت امام مالک کے مقابل اس مسئلہ پر سکوت اختیار

کرنے سے اسی کی تصدیق کی ہے۔ ورنہ چھوٹے سے چھوٹے مسائل میں بھی جہاں کہیں آپکو حضرت امام مالکؒ سے اختلاف ہوا۔ آپ نے اسے بیان فرما دینے میں تامل نہیں فرمایا۔ ان کے علاوہ حضرت امام ابن قیم رحمۃ نے اپنی کتاب مدارج السالکین میں اور علامہ شیخ علی ابن احمد نے اپنی کتاب سراج منیر میں عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر فرمایا ہے+۔ اب ہم یہ دکھائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہرگز حضرت عیسےٰ کے آسمان پر زندہ ہونے کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو حدیث مبارک مندرجہ ذیل (صحیح بخاری کتاب المناقب)

حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ ابْنُ بِلَالٍ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ عَائِشَۃَ رض زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَاَبُوْبَکْرٍ بِالسُّنْحِ قَالَ اِسْمٰعِیْلُ یَعْنِیْ بِالْعَالِیَۃِ فَقَامَ عُمَرُ یَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ وَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰہِ مَا کَانَ یَقَعُ فِیْ نَفْسِیْ اِلَّا ذَاکَ وَلَیَبْعَثَنَّہُ اللّٰہُ فَلَیَقْطَعَنَّ اَیْدِیَ رِجَالٍ وَّاَرْجُلَھُمْ فَجَآءَ اَبُوْبَکْرٍ فَکَشَفَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَہٗ قَالَ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُذِیْقُکَ اللّٰہُ الْمَوْتَتَیْنِ اَبَدًا ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ اَیُّھَا الْحَالِفُ عَلٰی رِسْلِکَ فَلَمَّا تَکَلَّمَ اَبُوْبَکْرٍ جَلَسَ عُمَرُ فَحَمِدَ اللّٰہَ اَبُوْبَکْرٍ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَقَالَ اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ وَقَالَ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ط وَقَالَ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا وَّسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ

+ دیکھو عسل مصفیٰ

قَالَ فَنَشَجَ النَّاسُ يَبْكُوْنَ ۃ

(ترجمہ) ہم سے اسمٰعیل بن عبد اللہ نے بیان کیا۔ کہ مجھے سلیمان بن بلال نے اُنہوں نے ہشام بن عروہ سے اُنہوں نے عروہ بن زبیر سے اُنہوں نے حضرت عائشہ رضہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت انتقال فرمایا۔ ابو بکر اس وقت سنح میں تھے۔ اسمٰعیل نے کہا۔ مدینہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ عمر (آپ کی خبر سنکر) کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے۔ اللہ کی قسم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہیں مرے۔ حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں۔ عمرؓ کہا کرتے تھے۔ قسم خدا کی اس وقت میرے دل میں یہی آیا تھا۔ اور میں کہتا تھا۔ کہ اللہ آپ کو ضرور اس بیماری سے اُٹھائیگا۔ اور آپ منافق لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں قلم کرینگے۔ اتنے میں ابوبکر صدیق آئے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کپڑا اُٹھایا۔ آپ کو بوسہ دیا۔ کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ زندگی اور موت دونوں حال میں اچھے اور پاکیزہ ہیں۔ قسم اس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دو بار موت کا مزہ نہیں چکھائیگا۔ پھر باہر نکلے اور عمر رضہ سے کہنے لگے۔ اے قسم کھانیوالے ذرا تامل کر۔ جب ابو بکر رضہ نے بات کرنا شروع کی۔ تو عمر رضہ بیٹھ گئے۔ ابو بکر رضہ نے اللہ کی تعریف اور ثنا بیان کی۔ پھر کہا لوگو دیکھو۔ اگر کوئی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا۔* (یہ سمجھتا تھا۔ کہ وہ آدمی نہیں ہیں کبھی نہیں مرینگے) تو محمدؐ تو مر چکے۔ اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا۔ (محمدؐ کو اس کا بندہ اور رسول سمجھتا تھا) تو اللہ ہمیشہ زندہ ہے۔ کبھی مرنیوالا نہیں۔ اور ابو بکر رضہ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (ترجمہ) اے پیغمبر تو بھی مرنے والا ہے اور وہ (کفار مکہ) بھی مرینگے۔ اور نیز یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ پارہ ۴ ع ۶ (ترجمہ) محمدؐ اور کچھ نہیں

* یہ ترجمہ صحیح بخاری مطبوعہ لاہور مترجمہ مولانا مولوی وحید الدین صاحب سے لیا گیا ہے جو اہل حدیث ہیں۔ احمدی نہیں۔

پیغمبر ہیں۔ اِن سے پہلے کئی پیغمبر گذر چکے ہیں۔ کیا وہ مر جائیں یا مارے جائیں۔ تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی ایڑیوں کے بل پھر جائے۔ وہ اللہ کا کچھ بگاڑ نہیں کرنے کا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو شکر کا بدلہ قریب دیگا + (ابوبکر رض کا خطبہ سننے پر) لوگ چیخ مار کر رونے لگے۔ (اور سب کو یقین ہو گیا۔ کہ آپ صلعم وفات پا گئے)

ان دونوں آیتوں کے پڑھنے سے حضرت ابوبکر صدیق نے یہ دکھانا چاہا۔ کہ کیا گذشتہ انبیاء میں سے کوئی زندہ ہے۔ کہ تم اپنے رسول صلعم کے زندہ رہنے کے خواہشمند ہو؟ اگر صحابہ کرام رض کا یہ اعتقاد ہوتا۔ کہ حضرت عیسٰے ع بجسم خاکی آسمان پر زندہ ہیں۔ تو ممکن نہ تھا۔ کہ اگر اور کوئی نہیں۔ تو کم از کم حضرت عمر جیسے غیور اور جوشیلے صحابی جو حضور رسالت مآب کی موجودگی میں بھی آپ بدولت پر سوال کرنے سے نہ رکا کرتے تھے۔ اور جو اس وقت بھی اس بات پر مُصِر تھے۔ کہ حضرت صلعم زندہ ہیں۔ کبھی یہ عذر پیش کرنیسے باز رہتے۔ کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ ایک نبی اسرائیلی نبی تو چھ سو سال سے زندہ ہو۔ اور ہمارا ہادی و مرشد جو تمام عالمیوں سے افضل تھا۔ بہت تھوڑی عمر میں وفات پا جائے؟

شہادت القرآن میں اس کا جواب یوں دیا گیا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق کی غرض آیات مذکورہ کے پڑھنے سے یہ نہ تھی کہ ان سے سابق انبیاء کی وفات ثابت کریں بلکہ یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ موت رسالت کی منافی نہیں ہوتی +

یہ استدلال صریحاً غلط ہے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ مولوی صاحب کس طرح اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضرت نبی کریم صلعم کی موت کو منافی رسالت سمجھتے تھے۔ نہ تو اس خیال کے لئے حدیث و قرآن میں کوئی سند اور قرینہ ہے۔ اور نہ کوئی مسلمان اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ صحابہ کرام کی جماعت جنکی فراست اور پاکیزگی کی نہ صرف دنیا قائل ہے۔ بلکہ خود خدا جن کا مداح ہے۔ وہ اتنی بات بھی نہ سمجھتے تھے۔ کہ رسول بشر ہوتا ہے۔ اور بشر کے لئے فنا ہے۔ اور یہ کہ انبیاء برحق موت سے محفوظ

نہیں رہے۔ بات یہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص جو نیک نیتی اور ایمانداری کے ساتھ حق کا متلاشی نہ ہو۔ ایک اعتقاد پر جم جاتا ہے۔ تو ہر طرح سے اسی کے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ورنہ آیت کریمہ مَا محمّد الّا رسولٌ قد خلت من قبلہ الرّسل۔ کے شان نزول ہی سے پتہ چل جاتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت نبی کریمؐ کی وفات پر یہ آیت کیوں پڑھی۔ بات یوں ہے۔ کہ جب جنگ احد میں حضرت رسول کریم صلعم کی شہادت کی غلط خبر مشہور ہوگئی۔ تو اس پر اسلامی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ نہ اس خیال سے کہ اُنہیں اُس وقت حضور کی رسالت میں شک پڑ گیا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ ایک عظیم الشان محبوب و مخدوم کے جدا ہونے کے صدمہ نے ان کے چھکے چھڑوا دئے۔ اور عاشقان محمد صلعم اس وحشت ناک خبر سے ایسے دل باختہ ہوئے کہ اُنکے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت ما محمد الّا رسول۔ الخ نازل فرماکر انہیں متنبہ کر دیا۔ کہ دیکھو تمہارا نبی گذشتہ نبیوں کی طرح بشر ہے۔ اور ان کی طرح اسے بھی موت کا مزہ چکھنا ہوگا تو تمہیں چاہیئے۔ کہ اس کی موت کے آنے پر ہوش و حواس نہ چھوڑ دینا؞

باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ باہم جھگڑتے ہیں کہ آپ فوت نہیں ہوئے۔ بات یہ ہے کہ انسان کو محبوب کی جدائی فطرتاً ناپسند ہوتی ہے۔ وہ اول تو ایسی جدائی کو قبول نہیں کرتا۔ اور کرتا ہے تو اسے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ اسی صدمہ کو کم کرنے کے لئے حضرت صدیق اکبر نے صحابہ کو یہ آیت یاد دلائی اور انہیں یوں سمجھایا۔ کہ دیکھو اس موت کی پہلے سے خبر آچکی ہوئی ہے۔ اور پھر انبیائے سابق میں سے کوئی زندہ رہا ہے۔ کہ تم اپنے نبی کے زندہ رہنے کے خواہشمند ہو؟ حی قیوم صرف ایک ذات خدائی ہے۔ مخلوقات سب فنا پذیر ہے؞

الغرض حضرت نبی کریم کی وفات پر حضرت ابوبکر صدیق کا آیات مندرجہ بالا کو پڑھنا اور جمیع صحابہ کا جو موجود تھے۔ خاموش اور مطمئن ہو جانا۔ اِس بات کا ثبوت دیتا ہے۔ کہ

اول تو اُس وقت صحابہ میں یہ عقیدہ نہ تھا۔ کہ حضرت عیسےٰؑ آسمان پر بجسم عنصری زندہ ہیں۔ اور اگر تھا۔ تو آیات مذکورہ سے اس کی تردید ہوگئی ہوگی۔ غرض کہ حضرت صلعم کی وفات پر امت کا یہ پہلا اجماع تھا اور یہ اجماع اس بات پر ہوا۔ کہ حضرت رسول صلعم سے پیشتر کے تمام انبیاء وفات پا چکے ہیں ؛

اور یہ تو جھگڑا ہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی حیات ممات کا زور شور سے اب اٹھا ہے۔ ورنہ تمام جامع مسجد و تکیے امام اپنے ہفتہ وار خطبوں میں مندرجہ ذیل اشعار پڑھ پڑھ کر سامعین کو دنیا کی بے ثباتی کی طرف متوجہ کیا کرتے تھے ؛ ؎

یار و عزیزو دوستو دنیا میں ہرگز مت پھنسو	دل اس کی اُلفت میں نہ دو مت یارو تم اپنا جسم
آدم کہاں حوا کہاں مریم کہاں عیسیٰ کہاں	ہاروں کہاں۔ موسیٰ کہاں اس بات کا ہے سب کو غم
آدم شیث خلیل سلیماں نوح ادریس سدھارے	یوسف تے سلطان سکندر لنگھے ہن ایہ سارے
اسمٰعیل اسحاق نہ رہیا موسیٰ عیسےٰ نالے	ہور الیاس داؤد پیغمبر پیتے اجل پیالے
فکر کن در نفسِ خود جامی تو در شام و صبوح	این موسیٰؑ این عیسےٰؑ این یحییٰؑ این نوحؑ
کجا شد آدم و حوا کجا شد یوسف و موسےٰؑ	کجا ایوب ذکریا کجا شد نوح طوفانی
کجا شد عیسےٰ مریم کہ مردہ زندہ مے کردے	سلیماں خود کجا رفتہ کجا تخت سلیمانی
چو ختم الانبیاء ہم رفت گو آخر کہ مے ماند	بجز ذات مقدس قادر قیوم صمدانی

مندرجہ بالا شعروں سے ظاہر ہے۔ کہ ان کے بنانے والوں اور پڑھنے والوں کا یہی اعتقاد تھا۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اب جب سے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس بات پر زور دینا شروع کیا۔ تو مولوی لوگ ان خطبوں کا پڑھنا ترک کئے جا رہے ہیں۔ حتےٰ کہ اب وہ پرانے خطبے جن میں سے مندرجہ بالا اشعار لئے گئے ہیں۔ بڑی مشکل سے ملتے ہیں ؛

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وفات یافتہ ہونے کی زبردست تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے

تو ان کا حلیہ یوں فرمایا ہے +

(۱) رَبْعَۃٌ اَحْمَرُ کَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِیْمَاسٍ یَعْنِی الْحَمَّامُ۔ (ترجمہ) میانہ قد سرخ رنگ ایسے تروتازہ جیسے ابھی حمام سے نکلے ہیں (۲) اَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ۔ (ترجمہ) سُرخ رنگ گھونگر والے بال چوڑا سینہ +

برخلاف اِسکے اُس مسیح کا حلیہ جس کا آخری زمانہ میں نازل ہونا احادیث میں پایا جاتا ہے۔ حدیث مبارک میں یوں مذکور ہے۔

(۱) رَجُلٌ اٰدَمُ کَاَحْسَنِ مَا یُرٰی مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُہٗ بَیْنَ مَنْکِبَیْہِ رَجِلُ الشَّعْرِ (ترجمہ) ایک شخص بہت اچھے گیہوں رنگ والا جس کے بال کاندھوں تک اور ان کے درمیان لٹک رہے تھے۔ اور وہ سیدھے بال تھے +

(۲) رَجُلٌ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ (ترجمہ) آدمی گندم رنگ والا سیدھے بال والا +

یہ حلیے صحیح بخاری کتاب بدء الخلق میں درج ہیں۔ ان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان حلیوں کے صاحب دو مختلف بزرگ ہیں نہ ایک جیسا کہ غیر احمدی مُسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ ثابت ہوا۔ کہ جو عیسےٰ بن مریم گذر چکے ہیں وہ وفات پا چکے۔ اور واپس نہیں آئینگے + حضرت نبی کریم ؐ نے بھی شبِ معراج میں اُن کو وفات یافتہ انبیاء یعنی حضرت ابراہیم یحییٰ و موسیٰ علیہم السلام کی معیت میں دیکھا۔ اور آخری زمانہ میں آنیوالا عیسےٰ بن مریم ایک دوسرا شخص ہے۔ جو اول الذکر عیسےٰ سے علیحدہ حلیہ اور علیحدہ شخصیت رکھتا ہے +

ایک ثبوت عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھنے اور وہاں اب تک زندہ رہنے کا یہ دیا جاتا ہے۔ کہ احادیث نبوی میں وعدہ ہے۔ کہ ایک زمانہ میں جب کہ فلاں فلاں علامتیں ہونگی تو عیسےٰ بن مریم نازل ہونگے۔ یہ مضمون فی الواقعہ ایک طویل بحث مانگتا ہے مگر یہاں سرسری طور پر دیکھیں تو سہی کہ اس نزول کی حکمت و کیفیت کیا ہو سکتی ہے۔ بڑی ضرورت آسمان پر چڑھنے اور وہاں سے نازل ہونیکی جو مولوی ابراہیم صاحب نے بیان فرمائی

یہ بھی۔ کہ ہر ایک نبی میں چار صفات ہوتی ہیں۔ مُبَشِّر یعنی کسی آنیوالے نبی کی خبر دیتا ہے۔ مُبَشَّر بِہٖ یعنی کسی گذشتہ نبی نے اسکی بشارت کی ہوئی ہوتی ہے۔ مُصَدِّق یعنی وہ کسی گذشتہ نبی کی تصدیق کیا کرتا ہے مُصَدَّق یعنے ایک بعد کے نبی سے تصدیق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت نبیؐ کریم کی بشارت حضرت عیسےٰؑ نے دی تھی۔ حضور مُبَشَّر بِہٖ ہوگئے آپ نے عیسےٰؑ کی تصدیق کی۔ آپ مُصَدِّق ہوگئے۔ آپ نے عیسےٰؑ کے کسی زمانے میں نازل ہونے کی بشارت فرمائی۔ اسلئے آپ مُبَشِّر بھی ہوگئے۔ اب ایک مرحلہ رہ گیا ہے۔ کہ کوئی نبی حضور رسالت مآب کی تصدیق کرے۔ یہ خدمت حضرت عیسےٰؑ کو سپرد ہوئی۔ اور چونکہ آپ حضرت نبی کریم سے پہلے کے نبی ہیں۔ اسلئے آپ کے نازل ہونیسے خاتم النبیین کی قید بھی نہ ٹوٹی۔ اور حضور رسالت مآب کی تصدیق بھی ایک نبی کے ذریعے سے ہوگئی (یا ہو جائیگی)

اس پر چند ایک اعتراض وارد ہوتے ہیں :-

(۱)۔ ان دلائل کے لئے مولوی صاحب نے کوئی سند پیش نہیں کی تھی (۲) شرائط مندرجہ بالا کا ہر نبی کی ذات میں پایا جانا مولوی صاحب کی خود ساختہ تجویز ہے جو حجت نہیں ہوسکتی (۳)۔ اکثر انبیاء علیہم السلام میں مولوی صاحب کی مجوزہ شرائط کا پتہ نہیں چلتا۔ (۴) اگر اب بھی مولوی صاحب کو اپنے دعوے کی درستی پر اصرار ہو۔ تو براہِ مہربانی اس کے لئے کوئی سند قرآن و حدیث سے پیش کریں۔ یا کم از کم دس پندرہ انبیاء کے متعلق ان تمام مدارج کا پورا ہونا دکھادیں۔ (۵) ورنہ ہمارے نزدیک نہ تو یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلعم کی رسالت کی تصدیق کے لئے ایک نبی آوے۔ اور نہ یہ ایسی اہم ضرورت نظر آتی ہے۔ جس کے لئے ایک نبی کو آسمان پر چڑھا کر ہزارہا سال تک وہاں بٹھا رکھا جائے۔ اگر حضرت نبی کریمؐ کی رسالت اس امر کی محتاج تھی۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اس کی تصدیق فرماتے۔ تو اس ضرورت کو پورا کرنے میں آجتک کیوں التوا کیا گیا ہے؟ اگر حضور رسالت مآب کی زندگی ہی میں یہ تصدیق ہو جاتی۔ تو بہت ہی اچھا تھا۔ ورنہ آپکی

وفات کے بعد جلد ہو جاتی۔ کیونکہ اگر یہ تصدیق ایسی ہی ضروری تھی جیسا کہ مولوی صاحب نے بیان کیا۔ تو آجتک کروڑوں مسلمان گذر چکے ہیں۔ جو اس تصدیق کے دیکھنے سننے سے محروم رہے۔ ان کے ایمانوں کا خدا حافظ ہم تو حضور صلعم کی نبوت کو غیر کی تصدیق کا محتاج نہیں سمجھتے۔ یہاں تک تو عیسےؑ کے رفع اور نزول کی ضرورت پر بحث ہوئی۔ اب دیکھیں کہ نزول کے بعد کیا ہوتا ہے۔ پس سوچنا چاہیئے۔ کہ نازل ہونیکے بعد یا تو عیسےؑ اپنی پرانی نبوت پر قائم رہینگے۔ یا نہیں۔ دونوں حالتوں میں مشکلوں کا سامنا ہے۔ اگر آپ سے نبوت چھن جانے کو ہے۔ تو ہمیں دکھایا جاوے۔ کہ آیا کبھی اس سے پیشتر ایسا ہوا ہے۔ کہ ایک نبئ برحق کو عہدہ نبوت سے معزول کر دیا گیا ہو؟ اگر کبھی ایسا نہیں ہوا۔ تو حضرت مسیح علیہ السلام سے ایسا سلوک کیوں ہوگا؟ کیا آپ کو اس قدر عرصہ دراز تک اور غیر معمولی طور پر محفوظ رکھ رکھ کر آخر آپ کے حق میں یہ مان لینا جائز ہوگا۔ کہ آپ کو منصب نبوت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ بالخصوص جب کہ قرآن کریم میں آپ کی نسبت خصوصیت سے لکھا ہے۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ ط پارہ ۱۶ ع ۵۔ ترجمہ (عیسےؑ علیہ السلام کی زبانی) مجھے اللہ نے کتاب دی ہے۔ نبی بنایا۔ اور مجھے مبارک بنایا ہے۔ جہاں کہیں بھی رہوں ؂

اب اگر ہم فرض کریں۔ اور مولوی محمد ابراہیم صاحب کا یہی اعتقاد ہے۔ کہ آپ کی نبوت قائم رہیگی۔ تو اول اعتراض تو یہ ہے۔ کہ اس طرح جب حضرت نبئ کریم کے بعد ایک نبی آگیا۔ خواہ وہ پرانا ہی نبی ہو۔ تو کیا اس حالت میں خاتم النبیین کی آیت اور لانبی بعدی کی حدیث نہیں ٹوٹتی؟ حدیث کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اگر یہ معنے درست ہیں۔ تو خواہ پرانا خواہ نیا نبی آپ کے بعد آئے۔ دونوں حالتوں میں حدیث کا خلاف ہوتا ہے ؂

دوم۔ جو لوگ عیسےؑ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کے قائل ہیں۔ وہ یہ اعتقاد

بھی رکھتے ہیں۔ کہ عیسےٰؑ کے نزول کے وقت امام مہدی مسلمانوں کے امام ہونگے۔ اور وہی امام رہینگے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام حضرت امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرینگے۔ اور دونو بزرگ ملکر تمام دنیا کو مسلمان کرینگے۔ جو لوگ انکے کہنے سے اسلام قبول نہ کریں۔ انکو نہ تیغ کرینگے اور تمام دنیا میں اسلام کا دور دورہ ہو جائیگا۔ ناظرین یہ تمام دِل خوش کن اعتقادات ہیں۔ مگر تھوڑے سے غور کرنے سے ان کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ میرے دلائل ان اعتقادات کو غلط قرار دینے کے لئے حسب ذیل ہیں:۔

(ا)۔ اس میں ایک نبی (یعنے عیسےٰؑ) کا ایک غیر نبی (امام مہدی) کے تابع فرمان ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ کسی طرح صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے نہ کوئی سند ہے۔ اور نہ زمانہ سابق میں کوئی تمثیل ہے۔ بعض نبی اپنے سے بڑے نبیوں کے تو تابع ہوئے ہیں مگر کوئی نبی کبھی کسی غیر نبی کا تابع نہیں ہوا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے چنانچہ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (پارہ ۵ ع ۶) (ترجمہ) ہم نے کبھی کوئی رسول نہیں بھیجا۔ بجز اسکے کہ اس کے بھیجنے سے ہماری منشاء یہ ہوتی ہے۔ کہ لوگ اس کی اطاعت کریں + پس نبی کے آنے پر اُس کی اطاعت لوگوں پر واجب ہوتی ہے۔ وہ لوگوں میں سے کسی کا جو خود نبی نہ ہو۔ مطیع نہیں ہو سکتا۔ خواہ امام مہدی ہی کیوں نہ ہو +

(ب)۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں دنیا پر کوئی ایسا وقت آنے والا نہیں ہے۔ جس میں کہ تمام دُنیا کے لوگ ایک دین پر متفق ہو جائیں۔ (دیکھو (ا) قرآن مجید پارہ ۱۷ ع ۱۳۔ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط (ترجمہ) اگر ہم نے سلسلہ غالب مغلوب ہونے کا جاری نہ کیا ہوتا۔ تو نصارٰے کے صومعے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے ڈھائے جاتے

ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے۔ کہ نہ صرف اسلام بلکہ یہودی اور عیسائی مذہب بھی دُنیا پر قائم رہیں +

(۲) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ط (سورہ ہود آخری رکوع) ترجمہ۔ اگر اللہ چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔ لیکن لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف رکھینگے مگر جس پر کہ اللہ فضل کرے +

(۳)۔ اَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (سورہ مائدہ ع ۳)
ترجمہ۔ ہم نے نصاریٰ میں باہمی بغض و عداوت ڈال دی ہے۔ جو روز قیامت تک رہیگی +

(۴)۔ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔
(سورۃ مائدہ ع ۹) ترجمہ۔ ہم نے یہود میں باہمی بغض اور عداوت ڈال دی ہے۔ جو روزِ قیامت تک رہیگی +

چونکہ نصاریٰ اور یہود میں باہمی عداوت اور بغض تب ہی روز قیامت تک رہ سکتے ہیں۔ جب کہ یہ قومیں خود بھی اُس وقت تک موجود رہیں۔ ثابت ہوا۔ کہ قرآن کریم کے رو سے تمام دنیا کا مذہب اسلام پر اتفاق کسی وقت میں ہرگز نہیں ہو سکتا + لہٰذا اُن احادیث کا جن میں لکھا ہے۔ کہ مسیح موعود دُنیا میں اسلام پھیلائیگا۔ یہ ہرگز مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ دیگر جملہ ادیان کو صفحہ دُنیا سے نابود کر دیگا۔ بلکہ یہ کہ دلائل و براہین کے زور سے اسلام کی صداقت کو باقی تمام دینوں کے مقابل روشن کر دیگا +

(ج)۔ رہی یہ بات کہ حضرت امام مہدی اور حضرت عیسےٰ ؑ اسلام کو بزور تلوار پھیلائینگے۔ یہ بھی غلط ہے۔ عیسائی اور آریہ لوگ اسلام پر ضرور یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہ دین تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ مگر ہمارا یہ اعتقاد ہرگز نہیں اور نہ ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ کوئی وقت ایسا آسکتا ہے جب کہ قرآن کریم کا صاف اور واضح حکم لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (ترجمہ۔ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیئے) منسوخ ہو جائے۔ اور اس کی بجائے دین کی اشاعت کے لئے

تلوار چلانے کا حکم جاری ہو۔ ناظرین غور فرمائیں۔ کہ اگر امام مہدی اور حضرت عیسٰے، لوگوں کو زبردستی مسلمان بنائیں۔ تو کیا وہ مندرجہ بالا حکم (لا اکراہ فی الدین) کی خلاف ورزی کے مرتکب نہ ہونگے؟ اور کیا خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی مکمل شریعت کے ایسے واضح احکام کی اس طرح سے تنسیخ ممکن ہے؟ تعجب ہے۔ کہ ایک ایسے شخص کے دعوائے نبوت پر۔ جس نے اپنے آپ کو کامل طور پر اسلامی شریعت کا منادا اور خادم ثابت کیا۔ تو یہ اعتراض کیا جاوے۔ کہ اس سے لَا نَبِیَّ بَعْدِی کی حدیث اور خاتم النبیین کی آیت ٹوٹتی ہے۔ مگر ایسے نبیؐ اور امام کے آنے سے کوئی ہرج نہ سمجھا جائے۔ جو اس آخری شریعت اسلامی کے حکموں میں عملاً ترمیم و تنسیخ کرے ؂

(د)۔ حضرت نبی کریم صلعم فرماتے ہیں۔ اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَھُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ ×× وَکَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً وَّ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّۃً۔ صحیح بخاری کتاب التیمم۔ (ترجمہ) مجھے پانچ چیزیں ایسی ملی ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں ملیں ×× × (پانچویں یہ کہ اگلے زمانہ میں) ہر ایک نبی خاص اپنی قوم کے لئے بھیجا جایا کرتا تھا۔ اور میں تمام دنیا کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں ؂

قرآن کریم بھی اسکی تصدیق کرتا ہے۔ جہاں رسول اللہ صلعم کی زبانی کہلوایا جاتا ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (پارہ ۹ ع ۱۰) ترجمہ۔ اے لوگو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔ برعکس اسکے باقی تمام انبیاء جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اور صرف اپنی قوم کو ہدایت کرنا ہی اُن کا کام ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ۔ سورہ آل عمران ع ۵ یعنے عیسٰے بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔ نزول ثانی کے وقت بھی یہ آیت قرآن کریم میں موجود ہوگی۔ اور پکار پکار کر کہے گی۔ کہ حضرت عیسٰے صرف بنی اسرائیل کو ہدایت کر سکتے ہیں۔ اُمت محمدیہ مرحومہ کے ساتھ انہیں کوئی

سروکار نہیں ہو سکتا۔ اگر نزول ثانی کے وقت عیسٰے کو تمام جہان کے لئے ہادی قرار دیا جائے تو ایک تو اِس آیت کا خلاف ہو گا۔ اور دوم حضرت نبی کریم صلعم کی مندرجہ بالا فضیلت قائم نہیں رہیگی ؛

غرض نزول کے مضمون کو کسی پہلو سے دیکھو۔ یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ عیسٰے علیہ السلام کے متعلق نزول کے معنے آسمان سے اُترنے کے نہیں ہو سکتے۔ نہ قرآن وحدیث سے آپ کا آسمان پر چڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ نزول کے معنے لازماً آسمان یا کسی بلند جگہ سے ہی اُترنے کے ہیں۔ چنانچہ دیکھو مندرجہ ذیل مثالیں جو قرآن کریم سے لی جاتی ہیں ؛

اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (پارہ ۲۷ع ۱۹)

(ترجمہ) ہم نے لوہا اُتارا (پیدا کیا) جس میں (ہتھیاروں کی صورت میں) بڑا خطرہ ہے۔ اور اس میں لوگوں کے لئے بہتیرے فایدے بھی ہیں ؛

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا۔ (سورہ اعراف ع ۳)۔ ترجمہ۔ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اُتارا ہے۔ جو تمہاری پردے کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے ؛

نہ لوہا آسمان سے اُترتا ہے۔ اور نہ انسانی لباس۔ بلکہ یہ سب کچھ زمین سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ مگر نزول کا لفظ اِن دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور آیت* قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ (پارہ ۲۸ ع ۱۸) میں تو صاف ہی فرما دیا گیا ہے۔ کہ ہم نے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نازل کیا۔ یہی فی الحقیقت کیفیت ہے۔ عیسٰے کے نزول کی جو آخری زمانہ میں ہونے کو تھا۔ یعنے کہ آپ کا مثیل پیدا ہو گا۔ اور نزول ثانی کے الفاظ ہی جو عیسٰے ؑ کے متعلق بولے جاتے ہیں۔ شہادت دیتے ہیں۔ کہ نزول ثانی نزول اُولیٰ

*ترجمہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آگاہ کرنیکے لئے ایک پیغمبر صلعم کو تمہاری طرف اتارا ہے جو تم کو خدا کی کھلی کھلی آئتیں پڑھ کرسناتا ہے ۱۲

کے رنگ میں ہی ہو گا۔ یعنے جیسے نزولِ اولی میں عیسےٰ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ ویسا ہی نزول ثانی میں بھی ہو گا ؛

حضرت عیسےٰ تو اپنی پہلی بعثت کی نسبت خود فرمایا کرتے تھے۔ "میں آسمان سے اِس لئے نہیں اُترا۔ کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کروں۔ بلکہ اپنے بھیجے والے کی مرضی کے موافق۔ انجیل یوحنا باب ۶ آیت ۳۸ ؛

پھر یہودیوں کی زبانی بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ آسمان سے اُترنے کا ہی دعوےٰ کیا کرتے تھے۔ چُنانچہ یہودی کہتے تھے۔ پھر وہ (یعنے عیسےٰ) کیوں کہتا ہے۔ کہ میں آسمان سے اُترا ہوں۔ انجیل یوحنا باب ۶ آیت ۴۲ ؛

یہ خدا کی قدرت ہے۔ کہ جس نبی کی طرف آسمان سے نازل ہونا منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی پہلی بعثت کو آسمان سے نازل ہونا بیان کرتا ہے۔ تو اس کے نزول ثانی سے بعثت ثانی کیوں مراد نہیں لیجا سکتی ؛

بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ رفع کا ہونا نصاری میں اس قصے کا رائج ہونا کہ عیسےٰ آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ اور پھر احادیث میں لفظ نزول کا مستعمل ہونا ان سب چیزوں نے ملکر یہ احتمال پیدا کر دیا۔ کہ آپ شاید سچ مچ آسمان پر چڑھ گئے ہوں۔ اور کسی زمانہ میں وہاں سے اُتریں۔ ورنہ قرآن مجید اور حدیث مبارک اس عقیدے کے متحمل نہیں ہوتے۔ قرآن و حدیث سے حضرت عیسےٰ کی وفات ثابت ہوتی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے۔ کہ مسیح موعود وہ عیسےٰ نہیں ہو سکتے جو بنی اسرائیلی نبی تھے ؛

اب میں اس منعم حقیقی کا شکر کرتا ہوا جس نے مجھے اس رسالہ کے لکھنے اور طبع کروانے کی توفیق دی۔ اور اس کی قبولیت کے لئے دعا کرتا ہوا رسالہ کو اس زبردست چیلنج کے ساتھ جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی سال سے کتاب البریہ مطبوعہ ۱۸۹۸ء میں دیا ہوا ہے ختم کرتا ہوں ؛

" غرض ان لوگوں نے یہ عقیدہ اختیار کر کے چار طور سے قرآن شریف کی "
" مخالفت کی ہے - اور اگر پوچھا جائے - کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے - کہ "
" حضرت عیسٰے اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے - تو نہ کوئی آیت "
" پیش کر سکتے ہیں اور نہ کوئی حدیث دکھلا سکتے ہیں - صرف نزول کے لفظ "
" کے ساتھ اپنی طرف سے آسمان کا لفظ ملا کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں - مگر "
" یاد رہے - کہ کسی حدیث مرفوع متصل میں آسمان کا لفظ پایا نہیں جاتا اور "
" نزول کا لفظ محاورات عرب میں مسافر کے لئے آتا ہے - اور نزیل مسافر "
" کو کہتے ہیں - چنانچہ ہمارے ملک کا بھی یہی محاورہ ہے - کہ ادب کے "
" طور پر کسی وارد شہر کو پوچھا کرتے ہیں - کہ آپ کہاں اُترے ہیں - اور "
" اس بول چال میں کوئی بھی یہ خیال نہیں کرتا - کہ یہ شخص آسمان سے اترا "
" ہے - اگر اسلام کے تمام فرقوں کی حدیث کی کتابیں تلاش کرو تو صحیح حدیث "
" تو کیا کوئی وضعی حدیث بھی ایسی نہ پاؤ گے - جس میں یہ لکھا ہو - کہ حضرت "
" عیسٰے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے - اور پھر کسی زمانہ میں "
" زمین کی طرف واپس آئینگے - اگر کوئی ایسی حدیث پیش کرے - تو ہم ایسے "
" شخص کو بیس ہزار روپیہ تک تاوان دے سکتے ہیں - اور توبہ کرنا "
" اور تمام اپنی کتابوں کا جلا دینا اس کے علاوہ ہوگا - جس طرح چاہیں - "
" تسلی کرلیں "

اس چیلنج کا جواب نہ آج تک کسی نے دیا ہے - اور نہ آئندہ کسی سے اُمید ہے
یہ اتمام حجت کے لئے کافی ہے - وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

تمام شد